ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

9

www.tanzeem.org

4تا10مارچ2014ء/ یکم تا7جمادی الاولیٰ 1435ھ

اس شمارے میں

حُبِّ رسول اور اُس کے تقاضے

آئین پاکستان: اسلامی یا غیر اسلامی؟

ہوس کے پنجۂ خونیں میں ......

قافلہ تنظیم اسلامی: منزل بہ منزل

عقل و دل

مبلغ کی پہلی منزل؟

تنظیم اسلامی کی دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

نیتوں کے فرق کا نتیجہ

''فرق اور بہت بڑا فرق ہے اُس شخص میں جو نیک نیتی کے ساتھ اللہ کی آیات کو کھلے دل سے سنتا اور سنجیدگی کے ساتھ ان پر غور کرتا ہے، اور اس شخص میں جو انکار کا پیشگی فیصلہ کر کے سنتا ہے اور کسی غور و فکر کے بغیر اپنے اسی فیصلے پر قائم رہتا ہے جو ان آیات کو سننے سے پہلے وہ کر چکا تھا۔ پہلی قسم کا آدمی اگر آج اِن آیات کو سن کر ایمان نہیں لا رہا ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ کافر رہنا چاہتا ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مزید اطمینان کا طالب ہے۔ اس لیے اگر اس کے ایمان لانے میں دیر بھی لگ رہی ہے تو یہ بات عین متوقع ہے کہ کل کوئی دوسری آیت اس کے دل میں اُتر جائے اور وہ مطمئن ہو کر مان لے، لیکن دوسری قسم کا آدمی کبھی کوئی آیت سن کر بھی ایمان نہیں لا سکتا۔ کیونکہ وہ پہلے ہی آیاتِ الٰہی کے لیے اپنے دل کے دروازے بند کر چکا ہے۔ اس حالت میں بالعموم وہ لوگ مبتلا ہوتے ہیں جن کے اندر تین صفات موجود ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ جھوٹے ہوتے ہیں، اس لیے صداقت ان کو اپیل نہیں کرتی۔ دوسرے یہ کہ وہ بدعمل ہوتے ہیں، اس لیے کسی ایسی تعلیم و ہدایت کو مان لینا انہیں سخت ناگوار ہوتا ہے جو ان پر اخلاقی پابندیاں عائد کرتی ہو۔ تیسرے یہ کہ وہ اس گھمنڈ میں مبتلا ہوتے ہیں کہ ہم سب کچھ جانتے ہیں، ہمیں کوئی کیا سکھائے گا۔ اس لیے اللہ کی جو آیات انہیں سنائی جاتی ہیں ان کو وہ سرے سے کسی غور و فکر کا مستحق ہی نہیں سمجھتے اور ان کے سننے کا حاصل بھی وہی کچھ ہوتا ہے جو نہ سننے کا تھا۔''

تفسیر تفہیم القرآن (جلد چہارم)

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

الھدیٰ (601)

قوم لوط پر عذابِ الٰہی

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

سُورۃُ الحِجر — بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ — (آیات 73 تا 79)

فَاَخَذَتۡہُمُ الصَّیۡحَۃُ مُشۡرِقِیۡنَ ﴿ۙ۷۳﴾ فَجَعَلۡنَا عَالِیَہَا سَافِلَہَا وَ اَمۡطَرۡنَا عَلَیۡہِمۡ حِجَارَۃً مِّنۡ سِجِّیۡلٍ ﴿ؕ۷۴﴾ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلۡمُتَوَسِّمِیۡنَ ﴿۷۵﴾ وَ اِنَّہَا لَبِسَبِیۡلٍ مُّقِیۡمٍ ﴿۷۶﴾ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿ؕ۷۷﴾ وَ اِنۡ کَانَ اَصۡحٰبُ الۡاَیۡکَۃِ لَظٰلِمِیۡنَ ﴿ۙ۷۸﴾ فَانۡتَقَمۡنَا مِنۡہُمۡ ۘ وَ اِنَّہُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِیۡنٍ ﴿ؕ۷۹﴾

آیت ۷۳ ﴿فَاَخَذَتۡہُمُ الصَّیۡحَۃُ مُشۡرِقِیۡنَ ﴿۷۳﴾﴾ ’’تو انہیں آ پکڑا ایک چنگھاڑ نے اجالا ہونے کے وقت۔‘‘

یعنی پو پھٹتے ہی ان پر اللہ کے عذاب کا کوڑا ایک زبردست چنگھاڑ کے ساتھ ٹوٹ پڑا۔

آیت ۷۴ ﴿فَجَعَلۡنَا عَالِیَہَا سَافِلَہَا وَ اَمۡطَرۡنَا عَلَیۡہِمۡ حِجَارَۃً مِّنۡ سِجِّیۡلٍ ﴿۷۴﴾﴾ ’’پھر ہم نے اس کے اوپر والے حصے کو بنا دیا اس کے نچلے والا‘ اور ہم نے برسائے ان کے اوپر پکی ہوئی مٹی کے کنکر۔‘‘

یعنی ان آبادیوں کو پوری طرح تلپٹ کر دیا گیا اور ان پر سنگِ گل کی بارش برسائی گئی۔

آیت ۷۵ ﴿اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلۡمُتَوَسِّمِیۡنَ ﴿۷۵﴾﴾ ’’یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو حق کے متلاشی ہوتے ہیں۔‘‘

’’متوسمین‘‘ سے مراد وہ لوگ ہیں جو آیاتِ آفاقیہ‘ آیاتِ تاریخیہ‘ آیاتِ انفسیہ یا آیاتِ قرآنیہ کے ذریعے سے حقیقت کو جاننا اور پہچاننا چاہیں۔ اسم (اصل مادہ ’’س م وْ‘‘ ہے‘ الف اس کے حروف اصلیہ میں سے نہیں ہے) کے معنی علامت کے ہیں۔ اردو میں لفظ ’’اسم‘‘ کو نام کے مترادف کے طور پر جانا جاتا ہے‘ اس لیے کہ کسی چیز یا شخص کا نام بھی ایک علامت کا کام دیتا ہے‘ جس سے اس کی پہچان ہوتی ہے۔ لہٰذا جو اصحابِ بصیرت علامتوں سے متوسم (بابِ تفعل) ہوتے ہیں‘ ان کے لیے ایسے واقعات میں سامانِ عبرت موجود ہے۔

آیت ۷۶ ﴿وَ اِنَّہَا لَبِسَبِیۡلٍ مُّقِیۡمٍ ﴿۷۶﴾﴾ ’’اور یہ بستیاں ایک سیدھی راہ پر واقع تھیں۔‘‘

قومِ لوطؑ کی یہ بستیاں اس شاہراہ عام پر واقع تھیں جو یمن (بحیرۂ عرب) اور شام (بحیرۂ روم) کے ساحلوں کو آپس میں ملاتی تھی۔ مشرقی ممالک (ہندوستان‘ چین‘ جاوا‘ ملایا وغیرہ) سے یورپ جانے کے لیے جو سامان آتا تھا وہ یمن کے ساحل پر اتارا جاتا تھا اور پھر اس راستے سے تجارتی قافلے اسے شام اور فلسطین کے ساحل پر پہنچا دیتے تھے۔ اسی طرح یورپ سے مشرقی ممالک کے لیے آنے والا سامان شام کے ساحل پر اترتا تھا اور یہی قافلے اسے یمن کے ساحل پر پہنچانے کا ذریعہ بنتے تھے۔ اُس وقت نہر سویز بھی نہیں بنی تھی اور ’’راس امید‘‘ والا راستہ (Around the Cape of Good Hope) بھی دریافت نہیں ہوا تھا‘ جو واسکوڈے گاما نے ۱۴۹۸ء میں تلاش کیا۔ چنانچہ یہ شاہراہ اس زمانے میں مشرق اور مغرب کے درمیان تجارتی رابطے کا واحد ذریعہ تھی۔

آیت ۷۷ ﴿اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۷۷﴾﴾ ’’یقیناً اس میں نشانی ہے اہلِ ایمان کے لیے۔‘‘

آیت ۷۸ ﴿وَ اِنۡ کَانَ اَصۡحٰبُ الۡاَیۡکَۃِ لَظٰلِمِیۡنَ ﴿۷۸﴾﴾ ’’اور بے شک بن والے بھی ظالم تھے۔‘‘

’’اصحاب الایکہ‘‘ سے اہل مدین مراد ہیں۔ یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم تھی مگر یہاں اس قوم کا ذکر کرتے ہوئے آپؑ کا نام نہیں لایا گیا۔ ان سب اقوام کا تذکرہ یہاں پر انباء الرسل کے انداز میں ہو رہا ہے۔

آیت ۷۹ ﴿فَانۡتَقَمۡنَا مِنۡہُمۡ ۘ وَ اِنَّہُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۷۹﴾﴾ ’’تو ان سے بھی ہم نے انتقام لیا۔ اور یہ دونوں بستیاں بھی کھلے راستے پر واقع تھیں۔‘‘

اس سے مراد وہی تجارتی شاہراہ ہے جس کا ذکر ابھی ہوا ہے۔ یہ اصحابِ حجر کے مساکن سے بھی ہو کر گزرتی تھی جبکہ اہل مدین کی آبادیاں اور قومِ لوطؑ کی بستیاں بھی اسی شاہراہ پر واقع تھیں۔

فرمان نبویؐ

عن انس ابن مالك رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ((لَا یُؤۡمِنُ اَحَدُکُمۡ حَتّٰی اَکُوۡنَ اَحَبَّ اِلَیۡہِ مِنۡ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِیۡنَ))

(متفق علیہ)

حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’تم میں سے کوئی شخص جب تک مجھے اپنے باپ‘ بیٹے اور سب لوگوں سے زیادہ پیارا اور محبوب نہ بنا لے اُس وقت تک وہ مؤمن نہیں ہو سکتا‘‘۔

صرف یہ نہیں فرمایا کہ ’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرو‘‘ بلکہ یہ فرمایا ہے کہ ’’تمہیں سب سے زیادہ محبت اور پیار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ہونا چاہئے ‘‘ ورنہ تم مؤمن نہیں ہو۔ محبت کی علامت یہ ہے کہ محبّ اپنے محبوب کی ہر ادا پر جان دیتا ہے اور ہر معاملہ میں اس کی پیروی میں خوشی محسوس کرتا ہے۔ وہ اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ اپنے محبوب سے اختلاف کرے یا اس کے کسی فرمان کو ٹھکرا دے یا اس کے کسی حکم کو نہ مانے یا اس راہ پر چلے جسے اس کا محبوب پسند نہ کرتا ہو یا اپنے محبوب کے دشمنوں سے دوستی قائم کرے۔ یا زندگی کے کسی معاملے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو مسترد کر دے یا ایسے نظام کو قائم کرنے کی کوشش کرے جس کو مٹانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے۔

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان، نظامِ خلافت کا نقیب

بانی: اقتدار احمد مرحوم

4 تا 10 مارچ 2014ء جلد 23
یکم تا 7 جمادی الاولیٰ 1435ھ شمارہ 9

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: ایوب بیگ مرزا
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

نگرانِ طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور-54000
فون: 36316638-36366638 فیکس: 36313131
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقامِ اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور-54700
فون: 03-35869501 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک .... 450 روپے
بیرونِ پاکستان
انڈیا ---------------- (2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ
ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حُبِّ رسولؐ اور اس کے تقاضے

تنظیم اسلامی نے اپنا انتالیسواں سالانہ اجتماع بہاولپور میں دریائے ستلج کے کنارے 23 فروری سے 25 فروری تک منعقد کیا۔ اس اجتماع کا مرکزی مضمون ''حُبِّ رسول اور اس کے تقاضے'' تھا۔ تنظیم کے سینئر رفقاء اور مدرسین نے مختلف عنوانات کے تحت اس مرکزی مضمون کو اپنے اپنے انداز میں بیان کیا۔ اندازِ مختلف تھے، بات ایک ہی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی مبارک اور مقدس ذات کا معاملہ ہو تو اچھی سے اچھی مثال، ضرب المثل یا شعر بھی منطبق کرتے ہوئے ایک خوف سا محسوس ہوتا ہے کہ کہیں کسی پہلو، کسی گوشہ سے بات خدانخواستہ توہین یا کمتر ہونے کی طرف نہ چلی جائے (معاذ اللہ)۔ بہرحال شاعر نے شاید ایسے ہی موقع کے لیے کہا تھا ع اِک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں۔ بہرحال کسی پھول کے لیے بھی اس سے بڑی سعادت کیا ہو سکتی ہے کہ اسے آقائے نامدارؐ کے قدموں میں نچھاور کیا جائے۔ یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ انبیاء و رسل علیہم السلام سمیت انسانی تاریخ نے کسی دوسرے انسان کی اداؤں کو یوں محفوظ نہیں کیا جیسے آپؐ کی ہر ہر ادا کو اور اندازِ زندگی کو محفوظ کیا گیا۔ آپؐ کے اُسوہ پر عمل کرنے کے لیے کوشاں رہنا گویا دنیا اور آخرت میں کامیابی کا سراغ پا لینا ہے۔ آپؐ پر درود بھیجنا افضل ترین عبادات میں سے ہے۔ کسی بھی عمل کو اس نیت سے کرنا کہ آقا کا یہ طرزِ عمل تھا، مسلمان کی نیک بختی کی علامت ہے اور خود حضور ﷺ کا یہ قولِ مبارک قولِ فیصل ہے جس کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک اُسے حضور ﷺ ہر رشتہ، ہر تعلق اور ہر اثاثے یہاں تک کہ اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز نہ ہوں۔ مقررین نے سامعین کو بتایا کہ عبادات' محبت + اطاعت کا حاصل ہے۔ اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت دلی آمادگی اور چاہت سے کرنے کو عبادت کہتے ہیں۔ یہ دونوں اجزا ناگزیر ہیں۔

برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کا مسئلہ یہ ہے کہ ان کا اپنے مذہب سے تعلق انتہائی جذباتی رہا ہے، لیکن عملی تعلق میں کمزوری پائی جاتی ہے۔ یعنی حرمت رسولؐ پر خدانخواستہ آنچ آئے تو مرنے مارنے پر تیار، کسی کی جان لے لینا تو شاید معمولی بات ہے، اپنی جان قربان کرنا بھی کوئی بڑا مسئلہ نہیں، لیکن حکم رسولؐ سے سرتابی بھی معاشرے میں عام ہے۔ یہاں تک کہ پنج وقتہ نماز جسے آپؐ نے مسلمان اور کافر کے درمیان فرق قرار دیا ہے اور جو دین کا ستون ہے، اس سے بے اعتنائی عام ہے۔ انہیں معاشرہ بے عمل مسلمان کہہ کر چھوٹ دے دیتا ہے۔ حالانکہ قرآن پاک جسے ہم ابدی ہدایت نامہ کہتے ہیں عمل صالح کو ایمان کا جزو لاینفک قرار دیتا ہے۔ اگرچہ اسلام میں بے عملی کا سرے سے کوئی تصور ہی نہیں ہے، لیکن ہم اس سے آگے کی بات کریں گے۔ برصغیر پاک و ہند کے وہ مسلمان جو ارکانِ اسلام کے پابند ہیں اور اتباعِ سنت کے معاملے میں بڑے حساس دکھائی دیتے ہیں، ہم ان کی حساسیت کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ہم آپؐ کی سنتوں کو چھوٹی اور بڑی میں تقسیم کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔ ہمارے نزدیک سنتِ مسواک بھی اپنی جگہ اہم ہے، مسجد میں داخل ہوتے وقت دائیں پاؤں کو پہلے بڑھانا اور نکلتے وقت بائیں پاؤں کو پہلے نکالنا' دائیں ہاتھ سے کھانا، یہ سب قابل تقلید اور قابل اتباع سنتیں ہیں۔ لیکن ان سنتوں کو اپنانے کے لیے کسی مسلمان کو کوئی بڑا اجہاد نہیں کرنا پڑتا، انہیں کسی بڑی آزمائش سے نہیں گزرنا پڑتا، اُس کے دنیوی مفادات پر ضرب نہیں لگتی۔ ان اعمال سے اگرچہ حُبِّ رسول تو دکھائی دیتی ہے، لیکن اس کے لیے کوئی بڑی قربانی نہیں پیش کرنا پڑتی۔ اعمالِ صالح میں دیانت داری' امانت داری' حلال پر اکتفا' حرام سے اجتناب' نفسانی خواہشات اور جنسی شہوت پر کنٹرول' راست بازی اور ایفائے عہد' پڑوسی کے حقوق اور

بلاتمیز رنگ ونسل دوسرے کے لیے ایثار اور قربانی وغیرہ، یہ وہ اعمال ہیں جن کے لیے تحمل و برداشت کی ضرورت ہے، جنہیں فیصلہ کن انداز میں اپنانے کے لیے ایک مسلمان کو اپنے تعلقات اور خواہشات کی قربانی دینا ہوگی۔ یہ وہ اعمال ہیں جن کی ادائی ایک عامل کے دنیوی مفادات پر کاری ضرب لگاتی ہے۔ لیکن یہ تمام صفات نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارک میں بتمام وکمال اس وقت بھی موجود تھیں جب آپؐ کے نبی اور رسول ہونے کا باضابطہ اعلان نہیں ہوا تھا۔ جب ابھی وحی کا سلسلہ شروع ہی نہیں ہوا تھا۔ جب ابھی آپ کو اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ کا پیغام نہیں دیا گیا تھا۔ صادق و امین کا لقب تو آپؐ نے اعلانِ نبوت سے پہلے ہی قریش مکہ سے پا لیا تھا، جو ان کی شب وروز کی زندگی کے عینی شاہد تھے۔ جب ایک مسلمان ان اعمال کو اس لیے اپناتا ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ کا حکم ہے، میرے پیارے نبی ﷺ کے زندگی میں اپنائے ہوئے مسلمہ اصول ہیں تو یقیناً وہ سب کچھ حُبِ رسول میں کرتا ہے اور یقیناً وہ دنیا اور آخرت میں اس کا عظیم اجر پائے گا، لیکن کیا ہم اس حقیقت سے انکار کر سکتے ہیں کہ آج کافر معاشرہ مسلمان معاشرے کی نسبت ان قابل تقلید صفات کو کلی طور پر نہ سہی جزوی طور پر ہی سہی زیادہ اپنائے ہوئے ہے۔ اگرچہ وہ یہ سب کچھ قومی اور ملکی مفاد کو پیش نظر رکھ کر کرتے ہیں اور ان کا ہدف اور آئیڈیل بہت کمتر سطح کا ہے۔ کفار یہ سب کچھ دنیوی بہتری اور برتری کے لیے کر رہے ہیں۔ لہٰذا اس کے ثمرات اسی دنیا میں وصول کر رہے ہیں۔ اور ہمارا پختہ عقیدہ ہے کہ اللہ کے آخری رسول ﷺ کا انکاری ہونے کی وجہ سے آخرت میں اس حوالہ سے ان کا دامن خالی رہے گا۔ اگرچہ ہم آخرت کے طلب گار اور حُبِ رسولؐ کے دعوے دار بحیثیت مجموعی کفار سے اس معاملہ میں پیچھے ہیں، لیکن بہرحال ہم اس میدان میں بھی موجود ہیں اور حُبِ رسول کے تقاضے کسی قدر ادا کر رہے ہیں۔

ہمارا عالم اسلام اور خصوصاً مسلمانانِ پاکستان سے اصل سوال یہ ہے کہ سورۃ المدثر کی ابتدائی تین آیات جو مکی دور کے آغاز ہی میں نازل ہوگئی تھیں جن کا ترجمہ ہے: ''اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے، اُٹھو، اور خبردار کرو اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو۔'' کیا اِن آیات کے نزول کے بعد آپؐ نے دین اسلام کی دعوت اور نظامِ ربانی کی اقامت کے لیے اپنی زندگی وقف کی تھی یا نہیں؟ اور کیا جس تکرار اور جس تسلسل کے ساتھ آپؐ نے اپنا یہ فرض منصبی ادا کیا اور پھر حجۃ الوداع میں اس سنت کی ادائی کے لیے مسلمانوں کو کہا، کسی اور سنت کی ادائی کے لیے ایسے پرزور انداز میں کہا؟ یقیناً نہیں، پھر ہم نے اس سنت کو بحیثیت قوم (الا ماشاءاللہ) کیوں ترک کیا؟ ہم نے یہ میدان مکمل طور پر خالی کیوں چھوڑا ہوا ہے؟ اُمت مسلمہ جو آج ستاون مسلمان ممالک میں بستی ہے، کیا کہیں وہ نظام قائم ہے جس کے لیے آپؐ نے اپنی زندگی وقف کر دی تھی، جس کے لیے آپؐ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے تھے اور آپ کا مبارک خون کبھی طائف کی گلیوں میں اور کبھی احد کے دامن میں گرا تھا۔ اپنے چاروں طرف نگاہ دوڑائیں، سنت مسواک سے لے کر نماز روزہ کی دعوت تک تمام سنتیں کسی نہ کسی انداز میں زندہ ہیں، صرف اور صرف ایک ہی سنت ایسی ہے جسے ادا کرنے کی کوئی منظم اور مربوط کوشش کہیں نظر نہیں آتی۔ اسلام کے جس عادلانہ نظام کے قیام کے لیے حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے اپنا جان و مال سب کچھ لگا دیا، اس سنت کی ادائی کی کوئی خواہش بھی نظر نہیں آتی۔ ہمیں یہ کہہ کر اس حقیقت کا اعتراف کر لینا چاہیے کہ یہ سنت مردہ ہو چکی ہے، لہٰذا دنیا میں اسلام اور مسلمان دونوں مغلوب ہیں۔ باطل نظام اور کفار کا غلبہ ہے اور وہ اپنے اس غلبہ کی وجہ سے مسلمانوں کو ذلیل و رسوا کر رہے ہیں اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم انہیں کو معالج سمجھ رہے ہیں اور باطل نظام اپنانے کی وجہ سے جو امراض ہمیں لاحق ہو چکے ہیں، ان کا علاج بھی ان ہی سے کروا رہے ہیں۔ ہم سیاسی، معاشی اور معاشرتی سطح پر کفار کو نقل کرنے پر مجبور ہیں۔

کافر اور کافرانہ نظام کو صرف اس سنت کی ادائی سے خطرہ ہے کہ مسلمان کہیں اپنے نبی ﷺ کی پیروی میں اسلام کے عادلانہ نظام کو قائم کرنے کی کوشش نہ کرنے لگیں، لہٰذا ہمیں کبھی نیو ورلڈ آرڈر اور کبھی جیو آرڈر پر عمل درآمد کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ اگر ان نظام ہائے زندگی کو ہم قبول کرتے ہیں تو ہماری سیاست منافقانہ ہوگی، ہماری معیشت سودی ہوگی اور ہماری معاشرت میں فحاشی اور بے حیائی ہوگی۔ لہٰذا کوئی مسلمان کتنی ہی نیک خواہشات کیوں نہ رکھتا ہو، وہ کلیتاً ان گناہوں سے اپنا دامن نہیں بچا سکے گا۔ دین پر عمل انتہائی مشکل ہو جائے گا اور ہم اللہ اور رسول ﷺ کو راضی کرنے کی خواہش رکھنے کے باوجود بھی راضی نہ کر سکیں گے کہ ہمارے ہاتھ پاؤں میں باطل نے زنجیریں پہنا دی ہوں گی۔ لہٰذا کیا یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ حُبِ رسولؐ کا حقیقی تقاضا کیا ہے؟ کیا وہ ایسی سنتوں کی ادائی سے پورا ہو جائے گا جن کا براہِ راست باطل نظام سے تصادم نہیں ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ اگر اسلام کا وہ عادلانہ نظام جس کے لیے آپؐ اور آپؐ کے صحابہ ؓ نے اپنی زندگیاں وقف کر دی تھیں اسے اگر ہم نافذ کرنے کی جدوجہد نہیں کرتے، آپؐ کی اس عظیم سنت کو زندہ نہیں کر سکتے، ایسا وقت یقیناً آئے گا کہ مسلمانوں کے لیے دوسری سنتوں کی ادائی بھی ناممکن بنا دی جائے گی۔ اس سنت کو ادا کرنے کے لیے جان و مال کا نذرانہ پیش کرنا ہوگا، وگرنہ اس کے بغیر حُبِ رسولؐ کا دعویٰ بار آور ثابت نہیں ہوگا۔ آیئے، اپنے آپ سے سوال کریں کہ حُبِ رسولؐ کے تقاضے ان سنتوں سے پورے ہوں گے جن کا آغاز میں ذکر کیا گیا ہے یا قرآن و حدیث کے مطابق نظامِ عدلِ اجتماعی کو قائم کر کے پورے کیے جا سکیں گے۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک مردہ سنت کو زندہ کرنے کا اجر اور مقام سو شہیدوں کے مساوی بتایا ہے۔ آیئے، اپنے دل و دماغ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ آپ کی کون سی سنت ہے؟ یقیناً وہی جس کا اتباع آج جان جوکھوں کا کام ہے۔ اِسی سنت کی ادائی باطل نظام اور طاغوتی قوتوں کا سر کچلنے کا باعث بنے گی۔ ان شاء اللہ

آئین پاکستان: اسلامی یا غیر اسلامی؟

مسجد جامع القرآن قرآن اکیڈمی لاہور میں امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ کے 14 فروری 2014ء کا خطاب جمعہ

خطبۂ مسنونہ اور تلاوت آیات کے بعد!

حضرات محترم! میری آج کی گفتگو کا موضوع ہے ''آئین پاکستان: اسلامی یا غیر اسلامی؟'' ان دنوں تحریک طالبان پاکستان کی جانب سے نفاذ شریعت کے مطالبہ کی وجہ سے یہ بحث ملک کے طول وعرض میں چھڑ چکی ہے کہ آیا پاکستان کا آئین اسلامی ہے یا نہیں؟ اس بارے میں سیکولر طبقات تو ایک طرف رہے، خود علماء کے حلقوں میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ زیادہ تر دینی قائدین کا کہنا ہے کہ ہمارا دستور اسلامی ہے بلکہ ملک میں نفاذ شریعت کے لیے سرگرم عمل ایک بڑی دینی جماعت کے ایک لیڈر نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ پاکستان میں آئین کی صورت میں شریعت نافذ ہے۔ اتنا بڑا دعویٰ میرے لئے ناقابل فہم ہے۔ حیرت ہے کہ کوئی شخص ایسا بیان بھی دے سکتا ہے۔ دوسری جانب ہمارے علماء ہی میں سے وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہمارا آئین سرے سے غیر اسلامی ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ مولانا صوفی محمد صاحب بھی اسی مؤقف کے تحت انتخابی عمل میں حصہ لینے کو غیر اسلامی قرار دیتے تھے۔ گزشتہ دنوں اسی مؤقف کا اظہار کرتے ہوئے مولانا عبدالعزیز صاحب نے ببانگ دہل کہا کہ ہمارا آئین غیر اسلامی آئین ہے، اور انہوں نے اس حوالے سے علماء کو مناظرے کا چیلنج بھی دے دیا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ میدان سیاست میں سرگرم ہماری دینی جماعتوں کا آئین کو اسلامی کہنا ایک حد تک ٹھیک ہے، لیکن اگر وہ یہ بھی کہیں کہ اس آئین کی رو سے ملک میں شریعت نافذ بھی ہے تو یہ بات ناقابل فہم ہے۔ آیئے، اس مسئلہ کا قدرے تفصیل سے جائزہ لیں۔

آئین کا تصور نیشنلزم کے ساتھ پیوستہ ہے۔ جب نیشنلزم کی بنیاد پر بڑے ممالک تقسیم ہوئے اور چھوٹے چھوٹے ملک وجود میں آئے تو ان میں ریاست کی جغرافیائی حدود کی طرح آئین کو بھی تقدس کا درجہ حاصل ہوا۔ ممتاز صحافی اوریا مقبول جان نے بہت اچھی بات کہی ہے کہ ''ایک مقدس کتاب اور ایک مقدس عہد نامے کی تخلیق کے دو مقاصد تھے۔ پہلا یہ کہ صدیوں سے انسان مذہب کی الہامی کتابوں کو مقدس ترین سمجھتا اور انہیں اعلیٰ اور ارفع مقام دیتا آیا ہے، اس لیے ایک کتاب کے مقابلے میں جب تک کتاب تخلیق نہ کی جائے اور اسے مقدس ترین قرار نہ دیا جائے، ان الہامی کتابوں کے مقام اور مرتبے کی نفی نہیں ہوتی۔ اس میثاق کی روح یہ ہے کہ اگر آئین یا اس کے بنانے والے مانیں گے تو قرآن یا تورات سپریم لاء قرار پائیں گے، لیکن اگر پارلیمانی اکثریت اس کا انکار کر دے تو اس کی حیثیت ثانوی بھی نہیں رہتی۔ دوسرا یہ کہ اسے ایک عہد نامے کا درجہ دیا گیا ہے اور انسانوں کے ساتھ عہد کو اللہ اور انسانوں کے ساتھ عہد پر مقدم تصور کیا جاتا ہے جبکہ اللہ قرآن پاک میں بندوں کے ساتھ اپنے کیے ہوئے عہد کو سب سے مقدم، اہم اور مقدس بیان فرماتا ہے اور انسان

مرتب: ابواکرام

کی اس دنیا میں آمد بھی اسی عہد کی پاسداری کے لیے ہے۔ یہ وہ عہد ہے جو اللہ نے تمام ارواح سے عالم بالا میں لیا تھا۔ اللہ اس میثاق اور اس عہد کو ناقابل تنسیخ سمجھتا ہے اور آخرت میں جزا اور سزا کا انحصار اسی عہد کی پاسداری پر رکھا گیا ہے جبکہ اسمبلی کا بنایا گیا آئین اللہ کے ساتھ کیے گئے اس عہد کی توثیق یا تنسیخ کا اختیار رکھتا ہے۔''

یہودی تورات کو اللہ کی کتاب مانتے ہیں، اس میں آئین موجود ہے۔ مسلمان قرآن مجید کو اللہ کی کتاب مانتے ہیں۔ اسلام میں قرآن وسنت کی صورت میں آئین کا پورا ڈھانچہ موجود ہے۔ ہر ملک کا الگ آئین بنانے کا تصور اس لئے ذہنوں میں راسخ کیا گیا، تاکہ لوگوں کا ذہن آسمانی صحیفوں سے ہٹا کر انسانی ساختہ کتاب (آئین) کی طرف موڑا جائے۔ گویا ایک سازش کے تحت مقدس آسمانی کتابوں سے توجہ ہٹا کر نہ صرف ایک آئینی دستاویز کو تقدس کا درجہ دیا گیا بلکہ آئین کی خلاف ورزی ناقابل معافی جرم قرار پائی۔ کسی شہری پر سب سے بڑا الزام یہ ہوتا ہے کہ اس نے آئین کی خلاف ورزی کی ہے اور جس پر یہ الزام ثابت ہو جائے، اس کا کیریئر ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔ بہرکیف آئین دور حاضر کی ایجاد ہے، ورنہ ہمیں باقاعدہ آئین مرتب کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ ہمارے پاس پہلے سے آئین موجود ہے۔ چنانچہ معمار پاکستان قائداعظم سے جب پوچھا گیا کہ آپ جو پاکستان بنانے چلے ہیں، اس کا دستور کیا ہوگا، تو انہوں نے صاف کہا تھا کہ ہمارا دستور 13 سو سال پہلے ہمیں دے دیا گیا۔ ہمارا دستور قرآن ہے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے تمہیں دین پورا کا پورا دے دیا۔ تمہیں چاہئے کہ اس کامل ترین نظام کو اختیار کرو، اس میں پورے طور پر داخل ہو جاؤ۔
﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا ادۡخُلُوۡا فِی السِّلۡمِ کَآفَّةً ۪ وَّلَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّیۡطٰنِ ؕ ﴾ (البقرہ: 208) ''مومنو اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ، اور شیطان کے پیچھے نہ چلو۔'' شیطان کبھی یہ نہیں چاہے گا کہ تم سیدھے راستے پر چلو اور اسلام کے نظام عدل کو اختیار کرو۔ وہ تمہیں اسلام کے پاکیزہ معاشرتی نظام اور عادلانہ معاشی نظام کے مقابلے میں انسانی ساختہ استحصالی نظاموں کا راستہ دکھائے گا، مگر یاد رکھو، اللہ کے عطا کردہ نظام کے سوا جو کچھ بھی ہے سب شیطنت ہے، سب طاغوت ہے۔ لہٰذا ادھر اُدھر مت جانا، شیطان کے نقش قدم کی پیروی مت کرنا، کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ سورۃ الحجرات میں فرمایا: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُقَدِّمُوۡا بَیۡنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ (۱) ﴾ ''مومنو! (کسی بات کے جواب میں)

اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے پہلے نہ بول اُٹھا کرو۔''
اللہ اور رسول نے جو حدود قائم کردی ہیں، تم اُن کے اندر رہنے کے پابند ہو، تمہیں انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر ان حدود کو ملحوظ رکھنا ہے۔ قرآن وسنت میں ہم مسلمانوں کے لیے مکمل راہنمائی موجود ہے۔ لہٰذا ہمیں علیحدہ سے کوئی دستور بنانے کی خاص ضرورت نہیں۔ اللہ نے دین کی صورت میں ہمیں کامل دستور عطا فرما دیا۔ حضور ﷺ نے جو نظام قائم کیا اور جو تفصیل کے ساتھ دور خلافت راشدہ میں سامنے آیا، یہ نظام قیامت تک کے لیے ہے۔

قیام پاکستان کے بعد دستور کی بحث اٹھی اور دستور بنانے کی کوشش ہوئی تو علماء نے کہا کہ ہمارا دستور اسلامی ہونا چاہیے ---- ظاہر ہے، اسلامی نظام کو آج کے حالات کے حوالے سے کوئی شکل دے کر، کچھ بنیادی اصولوں کا مجموعہ بنا کر ایک دستاویز کے طور پر پیش کرنا پڑے گا۔ یہ آج کل کی ضرورت ہے ---- اس وقت سیکولر طبقات نے یہ پھبتی چست کی تھی کہ اسلامی دستور کا مطالبہ کرنے والوں کا تو اسلام ایک نہیں ہے۔ یہاں تو چار پانچ اسلام ہیں۔ دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث اور شیعہ ہر مکتب فکر کا اپنا اسلام ہے۔ یہ لوگ ایک دستور پر کیسے اکٹھے ہوں گے۔ سیکولر طبقات کی طرف سے یہ بہت بڑا چیلنج تھا۔ اس پر 1951ء میں تمام مکاتب فکر کے چوٹی کے علماء جو قدیم و جدید علوم کے جامع تھے کراچی میں اکٹھے ہوئے اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کی زیر صدارت اجلاس میں متفقہ طور پر اسلامی ریاست کا دستور 22 نکات کی صورت میں پیش کر کے بتا دیا گیا کہ یہ ہے اسلامی ریاست کا دستور جو ہم سب کے لئے قابل قبول ہے، اسے نافذ کرو۔ یہ اور بات ہے کہ جن کے ہاتھ میں اُس وقت ملک کی زمام کار تھی، انہوں نے اس متفقہ دستوری خاکہ کو درخور اعتنا نہ جانا، لیکن وہ دستاویز آج بھی موجود ہے اور اس پر تمام مسالک کے اکابر کے دستخط موجود ہیں۔

ملک میں باقاعدہ انتخابی سیاست کا آغاز ہوا تو آہستہ آہستہ دینی جماعتیں بھی انتخابی عمل میں شامل ہوتی چلی گئیں۔ پہلے جماعت اسلامی اس میدان میں کودی، پھر جے یو پی، پھر جے یو آئی، اہل حدیث اور شیعہ بھی انتخابی عمل میں شریک ہو گئے۔ دینی جماعتیں شریعت کا نفاذ چاہتی تھیں۔ اُن کا خیال تھا کہ اس مقصد کے حصول کے لئے ہم الیکشن کے راستے اسمبلی میں آ کر اپنا کردار ادا کریں، تاکہ ملک کو صحیح معنی میں ایک اسلامی ریاست بنایا جائے۔ (1956ء اور 1962ء میں بنائے گئے دساتیر کی بساط جلد ہی لپیٹ دی گئی)۔ 1973ء میں جب دستور بنانے کا موقع آیا تو ذوالفقار علی بھٹو نے دینی و سیاسی جماعتوں کو اکٹھا کیا، تاکہ سب مل کر متفقہ دستور بنائیں۔ اُس وقت مفتی محمود، مولانا مودودی اور مولانا شاہ احمد نورانی جیسے اکابر موجود تھے۔ چنانچہ دینی جماعتوں کے مطالبے پر دستور میں بہت سی اسلامی دفعات شامل کر لی گئیں، جن کی وجہ سے دینی طبقات نے دستور کو قبول کر لیا۔ انتخابی عمل میں شریک اکابر نے کہا کہ دستور میں اسلامی شقیں شامل ہو گئی ہیں، لہٰذا یہ اب قابل قبول ہے۔

1973ء کے دستور میں یہ طے کیا گیا تھا کہ ایک اسلامی نظریاتی کونسل تشکیل دی جائے گی جو ملک کے تمام شعبوں اور محکموں میں رائج غیر اسلامی قوانین کی نشاندہی کر کے اُن کے متبادل اسلامی قوانین کے لئے سفارشات وضع کرے گی اور اس طرح دس سال کے اندر اندر ملک کے تمام قوانین اسلامائز کر لیے جائیں گے۔ دستور میں قرارداد مقاصد کو دیباچہ کے طور پر شامل کیا گیا تھا۔ قرارداد مقاصد میں یہ بات کہی گئی تھی کہ ''اظہر من الشمس اللہ تعالیٰ ہی تمام کائنات کا حاکم کل ہے اور پاکستان کی قوت جمہور کو جو اقتدار و اختیار اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کا حق حاصل ہوگا، وہ ایک مقدس امانت ہے۔'' بعد میں ضیاء الحق مرحوم نے آٹھویں ترمیم کے تحت قرار داد مقاصد کو دیباچہ کی حیثیت سے اٹھا کر آرٹیکل 2.A کا درجہ دے دیا۔ چنانچہ اب یہ قرارداد آئین پاکستان میں آرٹیکل 2.A کے طور پر موجود ہے۔ اس کے علاوہ بھی دستور میں کئی اسلامی دفعات موجود ہیں۔ مثلاً آرٹیکل 31 میں لکھا ہے: ''پاکستان کے مسلمانوں کو انفرادی و اجتماعی طور پر اپنی زندگی اسلام کے بنیادی اصولوں اور اساسی تصورات کے مطابق مرتب کرنے کے قابل بنانے کے لئے اور انہیں ایسی سہولتیں مہیا کرنے کے لیے اقدام کیے جائیں گے، جن کی مدد سے وہ قرآن پاک اور سنت کے مطابق زندگی کا مطلب ذہن نشین کر سکیں۔'' اسی آرٹیکل کا دوسرا نکتہ یہ بیان کیا گیا: ''پاکستان کے مسلمانوں کے بارے میں مملکت درج ذیل امور کے لیے کوشش کرے گی: (الف) قرآن پاک اور اسلامیات کی تعلیم کو لازمی قرار دینا، عربی زبان سیکھنے کی حوصلہ افزائی کرنا اور اس کے لیے سہولت بہم پہنچانا، قرآن پاک کی صحیح اور من وعن طباعت اور اشاعت کا اہتمام کرنا۔ (ب) اتحاد اور اسلامی اخلاقی معیار اور ترقی کی پابندی کو فروغ دینا۔ اور (ج) زکوٰۃ وعشر اوقاف اور مساجد کی باقاعدہ تنظیم کا اہتمام کرنا۔'' آرٹیکل 227 اسلامی احکام پر مشتمل ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ ''تمام موجودہ قوانین کو قرآن وسنت میں منضبط اسلامی احکام کے مطابق بنایا جائے گا، جن کا اس حصہ میں بطور اسلامی احکام حوالہ دیا گیا ہے اور کوئی ایسا قانون وضع نہیں کیا جائے گا جو مذکورہ احکام کے منافی ہو۔'' یہاں ''تمام موجودہ قوانین کی تبدیلی'' بہت اہم بات ہے۔ اور اس کی کچھ وضاحت بھی کی گئی ہے، کہ اس ملک میں کوئی قانون سازی قرآن وسنت کے خلاف نہیں کی جائے گی۔

اسلامی دفعات تو آئین میں موجود ہیں، مگر ایک بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ دستور میں موجود اسلامی شقوں کے نفاذ کے حوالے سے کوئی نظام دستور میں نہیں دیا گیا جو فول پروف ہو، بلکہ اس کی بجائے اسلام سے فرار کے لئے چور دروازے ہیں۔ یہ بات آئین میں لکھ دی گئی کہ قرآن وسنت کے خلاف قانون سازی نہیں ہوگی مگر اس پر عمل کیسے ہوگا، اس معاملے کو انتہائی ڈھیلا چھوڑ دیا گیا۔ دستور میں یہ کہہ دیا گیا کہ اسلامی نظریاتی کونسل قائم کی جائے گی جو رائج قوانین کا جائزہ لے گی اور غیر اسلامی قوانین کے متبادل اسلامی قوانین پیش کرے گی۔ وہ اسمبلی میں پیش ہوں گی۔ یہ بھی لکھ دیا گیا کہ دس سال کے عرصے کے اندر اندر ہم اس ملک کے تمام قوانین کو اسلامائز کر لیں گے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ان شقوں کے عملی نفاذ کے حوالے سے بہت سے جھول پائے جاتے ہیں۔ اسلامی دفعات کے نفاذ کو یقینی بنانے کے لئے آئین میں کوئی فول پروف مضبوط نظام نہیں دیا گیا۔ چنانچہ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ دس سال تو کجا چالیس سال گزرنے کے بعد بھی غیر اسلامی قوانین کو تبدیل کر کے اسلامی نہ بنایا جا سکا اور اسلامی نظریاتی کونسل ایک مذاق بن کر رہ گئی ہے۔ طے یہ ہوا تھا کہ اسلامی نظریاتی کونسل کی طرف سے تجویز کردہ سفارشات اسمبلی میں پیش ہوں گی۔ اُن پر بحث ہوگی اور اس کے مطابق نئی قانون سازی ہوگی۔ کونسل نے بڑی محنت سے ہزاروں ایشوز پر سفارشات تیار کر کے حکومت کو دی ہیں جن میں بتایا کہ فلاں فلاں قانون غیر اسلامی ہے اور اس کے متبادل اسلام سے ہم آہنگ قانون سازی کیا ہو سکتی ہے مگر یہ سب کچھ ردی کی ٹوکری میں پڑا ہے۔ آج تک ان سفارشات کو اسمبلی میں پیش نہیں کیا گیا۔ اُن پر بحث اور اُن کی روشنی میں نئی قانون سازی تو بعد کی بات ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ ہمارے ایوانوں میں کبھی اس حوالے سے کوئی آواز بھی نہیں اٹھی کہ یہ کام کیوں نہیں ہو رہا ہے۔ یہ نہایت سنگین غفلت ہے، جس کا مظاہرہ ہمارے ارکان اسمبلی

نے کیا ہے۔انہیں اس ایشو کو اٹھانا چاہئے تھا۔

دوسرا بڑا مسئلہ یہ ہے کہ دستور میں بعض انتظامی معاملات مثلاً انتظامی ڈھانچہ کیسا ہو گا، صدر کے اختیارات کیا ہوں گے وغیرہ کے حوالے سے کچھ ایسے اصول بھی دے دیئے گئے جو خالصتاً غیر اسلامی ہیں۔ مثلاً آرٹیکل 45 کے تحت ''صدر کو کسی عدالت، ٹریبونل یا دیگر ہیئت مجاز کی دی ہوئی سزا کو معاف کرنے، ملتوی کرنے اور کچھ عرصہ کے لئے روکنے اور اس میں تخفیف کرنے، اسے معطل کرنے یا اُسے تبدیل کرنے کا اختیار حاصل ہے۔'' صدر مملکت کو حاصل یہ آئینی اختیار سراسر غیر اسلامی ہے، مگر ماضی میں آئین ہی کا سہارا لے کر ہماری عدلیہ نے اس حق کا دفاع کیا ہے۔1992ء میں سپریم کورٹ میں حاکم خان کیس اسی حوالے سے دائر کیا گیا تھا کہ صدر کو مجرموں کی سزا معاف کرنے کا اختیار غیر اسلامی ہے۔ کہا گیا کہ ہمارے آئین میں لکھا ہوا ہے کہ حاکمیت اعلیٰ اللہ کی ہے، پھر آرٹیکل 227 میں یہ بھی لکھا ہے کہ ملک میں قانون سازی قرآن وسنت کے مطابق ہوگی۔ لہٰذا اسلام کی بنیاد پر صدر کو کوئی اختیار نہیں ہے کہ وہ مجرم کی سزا معاف کر دے۔ اُس وقت جسٹس نسیم حسن شاہ چیف جسٹس تھے۔ اس اہم کیس میں عدالت کے فل بینچ نے یہ فیصلہ دیا کہ دستور کی تمام شقیں اپنی جگہ برابر کی حیثیت رکھتی ہیں، یہ شق کہ قانون سازی قرآن وسنت کے خلاف نہیں ہو سکتی، بھی ایک شق ہے اور دوسری طرف صدر کو سزا معافی کی شق (آرٹیکل 45) بھی ایک شق ہے، آئین کی کوئی شق دوسری شق پر حاوی نہیں ہے۔ لہٰذا صدر کا یہ اختیار برقرار رہے گا۔ قابل غور بات یہ ہے کہ اگر ہمارا آئین پورے طور پر اسلامی ہوتا تو ہماری عدلیہ ایسا فیصلہ کیونکر سنا سکتی تھی جو قرآن وسنت کے صریحاً خلاف ہے۔

ضیاء الحق مرحوم نے وفاقی شرعی عدالت بنائی، تاکہ اس بات کا جائزہ لے کہ کیا چیز اسلامی ہے اور کیا اسلامی نہیں ہے۔ اگر عدالت یہ فیصلہ کر دے کہ پہلے سے موجود قانون کی کوئی دفعہ یا زیر تجویز قانون سازی میں کوئی شق خلاف اسلام ہے تو وہ وفاقی حکومت (اور اگر معاملہ صوبائی ہے تو صوبائی حکومت) کو حکم دے گی کہ آپ اتنے مہینوں میں متبادل قانون سازی کر لیں، ورنہ اس کے بعد یہ چیز کالعدم ہو جائے گی۔ یہ بہت عمدہ طریقہ تھا، جو قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے میں کارگر ہو سکتا تھا، مگر یہاں بھی چور دروازہ نکالا گیا کہ دستور پاکستان جوڈیشل پروسیجرل لاز، مالیاتی قوانین (دس سال تک کے لئے) اور حتیٰ کہ عائلی قوانین کو بھی اس کے دائرہ اختیار سے باہر کر دیا گیا۔ پھر یہ کہ وفاقی شرعی عدالت تو بنا دی لیکن اس کا درجہ اور اس کے ججز کا مقام سپریم کورٹ کے برابر نہیں رکھا گیا، بلکہ اس سے کم تر رکھا گیا۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر ایک ملک میں شریعت غالب و نافذ ہو تو پھر وہاں شرعی عدالت کے سوا کسی اور عدالت کے سپریم ہونے کا کوئی جواز بنتا ہے۔ شریعت نافذ ہے تو پھر ایک ہی عدالت سپریم ہوگی جو شریعت کے مطابق فیصلے دے۔

وفاقی شرعی عدالت کے قیام کو 10 سال پورے ہو گئے تو عدالت پر مالیاتی قوانین بارے فیصلہ کرنے کی پابندی ختم ہو گئی۔ چنانچہ شرعی عدالت نے فیصلہ دے دیا کہ بینک انٹرسٹ ربا ہے۔ حکومت ایک سال کے اندر اندر سود سے پاک مالیاتی نظام وضع کر کے اسلامی اقتصادی نظام کے مطابق ادارے چلائے۔ میاں نواز شریف نے عدالت کے اس فیصلے کی تعمیل نہیں کی، بلکہ UBL کے ذریعے انہوں نے سپریم کورٹ سے Stay لے لیا۔ شرعی اپیلیٹ بینچ میں فیصلے کو دوبارہ شنوائی ہوئی اور اپیلیٹ بینچ نے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کی توثیق کر دی، لیکن اس کے بعد پرویز دور میں ایک مرتبہ پھر ایک سازش کے ذریعے اس فیصلے کو کالعدم قرار دے کر نظر ثانی کے لئے وفاقی شرعی عدالت بھیج دیا گیا۔ وفاقی شرعی عدالت کے حوالے سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ اس میں ججز ہی پورے نہیں ہوتے اور اگر پورے ہو بھی جائیں تو صرف ایک دو جج ہی ایسے ہوتے ہیں جو دین کا کچھ علم رکھتے ہیں، باقی سرے سے دین سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ اس وقت بھی یہی صورتحال ہے۔

متذکرہ تلخ حقائق کی بنا پر یہ بات واضح ہے کہ ہمارا دستور حقیقی معنوں میں خالص اسلامی دستور نہیں ہے۔ اگرچہ آئین میں قرارداد مقاصد اور دوسری اسلامی شقیں موجود ہیں، مگر انہیں دوسری شقوں پر بالادستی حاصل نہیں اور یہ شقیں غیر اسلامی شقوں کو متاثر نہیں کر سکتیں۔ والد محترم فرماتے تھے کہ ہمارے آئین نے زبانی طور پر کلمہ پڑھ رکھا ہے، مگر اس میں چور دروازے بھی ہیں، اور غیر اسلامی شقیں بھی، جس کی وجہ سے یہ منافقت کا پلندہ بن کر رہ گیا ہے۔ وہ دستور کو کسی حد تک اسلامی دستور مانتے تھے، لیکن برملا کہتے تھے کہ یہ خالص اسلامی دستور نہیں ہے بلکہ عملاً غیر اسلامی ہے۔ دستور میں موجود انہی تضادات کی وجہ سے آج کوئی اسے صریحاً غیر اسلامی کہہ رہا ہے اور کوئی اسے عین شریعت کے مطابق قرار دیتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ دستور کو صحیح معنوں میں اسلامی بنایا جائے۔ اس مقصد کے لئے والد محترم نے نواز شریف کے دوسرے دور حکومت میں جبکہ وہ بھاری مینڈیٹ لے کر آئے تھے انہیں دستور میں مجوزہ ترامیم کا ایک مسودہ دیا تھا، جس میں تجویز کیا گیا تھا کہ اگر دستور میں چند ترامیم کر دی جائیں تو یہ خالص اسلامی ہو جائے گا، اور دستوری منافقت اور دورنگی ختم ہو جائے گی۔ افسوس کہ میاں نواز شریف نے یہ ترامیم نہ کرائیں۔ یہ ترامیم اگر آج بھی کر لی جائیں تو اس سے خیر برآمد ہو سکتا ہے۔ یہ ترامیم کچھ اس طرح تھیں۔

1۔ قرارداد مقاصد (دفعہ 2۔الف) کو پورے دستور پر حاوی قرار دیا جائے!

2۔ دفعہ 227 کو دفعہ 2۔ب کی حیثیت سے قرارداد مقاصد سے ملحق کر دیا جائے۔

3۔ فیڈرل شریعت کورٹ کو مزید مستحکم کیا جائے اور اس کے لیے: (I) اس کے دائرہ کار پر عائد جملہ تحدیدات کو ختم کر دیا جائے (II) اس کے کئی بنچ تشکیل دیے جائیں اور اس مقصد کے لیے جید علماء کرام کی خدمات حاصل کی جائیں! (III) اس کے جج صاحبان کی شرائط ملازمت اور مراعات ہائی کورٹ کے ججوں کے مساوی کی جائیں! تاکہ اسلامی نظام کے قیام اور شریعت کے نفاذ کا عمل ہموار اور تدریجی طور پر آگے بڑھ سکے۔

چھیاسٹھ سال کی کوتاہیوں کے باوجود اگر آج بھی ہمارے حکمران نفاذ اسلام کے لئے آئینی اور تدریجی راستہ اپنا لیں اور نفاذ اسلام کے لئے آئین پاکستان میں متذکرہ ترامیم کر لی جائیں تو اس سے مسلمانوں کی دلی آرزو پوری ہوگی اور انہیں سکون ملے گا۔ لیکن اگر آپ نفاذ اسلام کے لئے آئینی اور تدریجی طریقہ نہیں اپنائیں گے تو عسکری راستے سے نفاذ اسلام کی فکر مزید تقویت پائے گی۔

اس وقت صورتحال یہ ہے کہ ہم سودی معیشت کو جاری رکھ کر اللہ اور رسول ﷺ کے خلاف حالت جنگ میں ہیں۔ ہم نے (معاذ اللہ) بغاوت کر رکھی ہے۔ سماجی و معاشرتی اعتبار سے دیکھیں تو ملک میں فحاشی اور عریانی کا سیلاب آیا ہے۔ یہ شیطنت بھی اللہ اور اُس رسول ﷺ سے کھلی بغاوت ہے۔ سیاسی پہلو سے دیکھا جائے تو ہماری پارلیمنٹ تحفظ نسواں بل جیسے غیر اسلامی قوانین بناتی ہے۔ ہماری عدالتیں قرآن وسنت کی بالادستی کی شق کو دوسری شقوں کے مساوی قرار دے کر غیر اسلامی شق کے مطابق فیصلے کرتی ہیں۔ گویا سیاسی اعتبار سے بھی اسلام نہیں ہے۔ پس جب ملک میں اسلام نہ سیاسی اعتبار

سے ہے اور نہ معاشی و معاشرتی اعتبار سے، تو پھر ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' نام میں کیا معنویت رہ جاتی ہے۔ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ہمارے عائلی قوانین تک غیر اسلامی ہیں، جو ایوب خان نے ایک منکر حدیث غلام احمد پرویز کے کہنے پر نافذ کئے تھے۔ حالانکہ مسلمانوں کے عائلی قوانین تو انڈیا جیسے ہندو اکثریت کے ملک میں بھی محفوظ ہیں۔ 1985ء میں کلکتہ ہائی کورٹ نے شاہ بانو کیس میں مسلمانوں کے عائلی قوانین میں مداخلت کرتے ہوئے ایک فیصلہ دے دیا، جس پر سنی، شیعہ، دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث سب مسلمان اُٹھ کھڑے ہوئے کہ عدالت نے ہمارے معاملے میں شریعت کے خلاف فیصلہ دے دیا ہے۔ مسلمانوں کو اکٹھا کرنے میں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے بنیادی کردار ادا کیا جو عالم اسلام کے ایک بہت بڑے مفکر اور عالم ہیں۔ سب مسلمانوں نے مل کر ایک زبردست تحریک چلائی۔ بڑے بڑے اجتماعات اور مظاہرے ہوئے۔ مسلمانوں پر گولیاں بھی برسیں، جن سے کئی سو مسلمان شہید ہوگئے، مگر انہوں نے احتجاجی تحریک نہیں چھوڑی۔ آخرکار راجیو گاندھی کو مجبور ہو کر لوک سبھا میں یہ اعلان کرنا پڑا کہ مسلمانوں کے عائلی قوانین میں آئندہ کبھی کوئی بڑی سے بڑی عدالت بھی مداخلت نہیں کرسکتی۔ یہ قانون پاس کردیا گیا۔ اُن دنوں مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اپنے خطبات میں فرمایا کرتے تھے، مسلمانو، اگر تم سے تمہارے عائلی قوانین بھی چھین لیے گئے تو تم مسجد میں مسلمان ہوگے اور اپنے گھروں میں کافر۔ کیونکہ تمہارے فیملی لاز تمہارے اپنے نہیں کافروں کے مسلط کردہ ہوں گے۔ میں نے علماء کرام سے اپنی ملاقاتوں میں بارہا یہ سوال کیا کہ اس وقت جبکہ پاکستان میں کسی بھی لیول پر اسلام غالب نہیں ہے، کیا قرآن کا یہ فتویٰ کہ'' جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں، ...... ظالم ہیں ...... فاسق ہیں۔'' ہم پر منطبق نہیں ہوتا۔ کسی ایک عالم نے بھی کبھی اس کا جواب نفی میں نہیں دیا، بلکہ سب خاموش ہوجاتے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ہمارا آئین پورے طور پر اسلامی نہیں ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے خالص اسلامی بنایا جائے۔ آئین کے اندر چور دروازے بند کیے جائیں، اُس میں سے غیر اسلامی شقیں نکالی جائیں، تب ہی یہ صحیح اسلامی دستور ہوگا۔ اگرچہ اسلامی دفعات کی بنا پر آئین کو اسلامی کہا جاسکتا ہے، مگر بعض چور دروازوں اور غیر اسلامی شقوں کے سبب اس پر (باقی صفحہ 19 پر)

پریس ریلیز 25-فروری 2014ء **حافظ عاکف سعید**

قیام امن کے لیے حکومت اور تحریک طالبان پاکستان فوری طور پر جنگ بندی کا اعلان کریں

نبی اکرم ﷺ سے محبت اور ایمان کا تقاضا ہے کہ آپؐ کے لائے ہوئے دین کو قائم کیا جائے

حکومت اور تحریک طالبان پاکستان کے تمام گروپ فوری طور پر جنگ بندی کا اعلان کریں اور اس پر نیک نیتی سے عمل کیا جائے۔ شمالی وزیرستان میں فوجی آپریشن پاکستان کے لیے تباہ کن ثابت ہوگا۔ قبائلیوں کو بے گھر کرنا انہیں تشدد کی راہ دکھانے کے مترادف ہے۔ ان خیالات کا اظہار امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے تنظیم اسلامی کے انتالیسویں سالانہ اجتماع میں خطاب کرتے ہوئے کیا۔ انہوں نے کہا کہ تنظیم اسلامی ہر قسم کے تشدد کے خلاف ہے چاہے وہ کسی جانب سے ہو۔ تمام مسلمان ایک جسد واحد کی حیثیت رکھتے ہیں لہٰذا باہم قتل و غارت امت مسلمہ کے لیے نہایت ضرررساں ہے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کی چھیاسٹھ سالہ تاریخ گواہ ہے کہ یہاں کبھی کوئی فوجی آپریشن مثبت نتائج نہیں دے سکا۔ انہوں نے ان خبروں پر تشویش کا اظہار کیا کہ فوجی آپریشن کے خدشہ سے شمالی وزیرستان سے لاکھوں لوگ ہجرت کررہے ہیں۔ حکومت کو فوری طور پر جنگ بندی کرنی چاہیے تاکہ لوگ بے گھر نہ ہوں۔ انہوں نے کہا کہ ہماری تباہی اور بربادی کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہم نے مملکت خداداد پاکستان کو اسلامی فلاحی ریاست نہ بنا کر اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے غداری کا ارتکاب کیا ہے۔ انہوں نے رفقاء تنظیم اسلامی سے کہا کہ نبی اکرم ﷺ سے محبت اور ایمان کا تقاضا ہے کہ جو کامل دین نبی اکرم ﷺ کو عطاء کیا گیا اُس دین کو اُس کی صحیح شکل میں قائم کیا جائے۔ اور اس کی خاطر جد وجہد کرنا ہر امتی کا فرض منصبی ہے۔ آج دنیا استحصالی نظاموں کی زد میں ہے۔ ظلم، ناانصافی، جبر وتشدد ہر طرف عام ہے۔ طاغوتی قوتیں آج پورے گلوب پر حاوی ہیں اور باطل نظام پوری دنیا میں قائم و نافذ ہے۔ ہمارے مسائل کا اصل علاج نظام مصطفیٰ کا نفاذ ہے۔ جو اپنی اصل صورت میں دور خلافت راشدہ میں انسانیت کے سامنے آیا۔ آج اس نظام کو دنیا کے سامنے لانا تمام مسلمانوں کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ انہوں نے رفقاء تنظیم پر زور دیا کہ ہر شخص نبی اکرم ﷺ کے اُسوہ کو اپنا مشعلِ راہ بنائے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ پاکستان میں نفاذ اسلام نہ صرف ہماری اُخروی نجات کا ذریعہ ہے بلکہ پاکستان کے استحکام کا باعث بھی ہے۔

پریس ریلیز 28 فروری 2014ء

مذاکرات کی کامیابی کے لئے فوجی آپریشن کے آپشن کو علانیہ طور پر ختم کیا جائے

پارلیمنٹ میں عوامی نمائندوں کے کرتوتوں بارے جمشید دستی کے انکشافات سے ساری قوم کا سر شرم سے جھک گیا

جمشید دستی نے پارلیمنٹ میں اپنے بیان میں عوامی نمائندوں کی جن کرتوتوں کا ذکر کیا ہے اس سے ساری قوم کا سر شرم سے جھک گیا۔ یہ بات تنظیم اسلامی کے امیر حافظ عاکف سعید نے قرآن اکیڈمی لاہور میں خطاب جمعہ کے دوران کہی۔ انہوں نے کہا کہ یہ اس قوم کے نمائندے ہیں جن کے بڑوں نے پاکستان اس لیے بنایا تھا کہ دنیا کو ایک اسلامی فلاحی ریاست سے متعارف کرایا جاسکے۔ انہوں نے کہا کہ جن کا فرض تھا کہ قوم کا اعلیٰ وارفع کردار تعمیر کرنے میں معاون اور مددگار بنتے وہ خود بدکرداری کا مظاہرہ کررہے ہیں۔ ملک میں جاری تشدد کی لہر کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ شمالی وزیرستان میں فوجی آپریشن امریکہ کی دیرینہ خواہش تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ اب یقینی طور پر اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائے گا۔ انہوں نے کہا کہ سیاسی و عسکری قیادت کو ہوش کے ناخن لینے چاہییں۔ پاکستان 1971ء میں فوجی آپریشن کی وجہ سے شکست وریخت سے دوچار ہوا۔ بلوچستان میں اب تک پانچ فوجی آپریشن کئے جاچکے ہیں لیکن وہاں حالات بد سے بدتر ہوتے جارہے ہیں۔ کراچی ایک عرصے سے مسلسل آپریشن تھیٹر میں ہے، وہاں بھی حالات درست ہونے کے کوئی امکانات نظر نہیں آتے۔ انہوں نے کہا کہ تحریک طالبان پاکستان سے تنازعے کو صرف مذاکرات سے حل کیا جاسکتا ہے۔ فوجی آپریشن کے آپشن کو علانیہ طور پر ختم کرنا ہوگا تاکہ مذاکرات پراعتماد طریقے سے کیے جاسکیں۔ انہوں نے کہا کہ طرفین میں سے جو بھی خونریزی کا ارتکاب کرتا ہے تنظیم اسلامی اس کی شدت سے مذمت کرتی ہے۔ ہم طرفین سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اسے انا کا مسئلہ نہ بنائیں اور ملک میں امن وامان کو فوری طور پر بحال کریں۔ (جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر واشاعت تنظیم اسلامی)

ہوس کے پنجے، خونیں ہیں......

عامرہ احسان

amira.pk@gmail.com

بڑوں کی امریکی سینیٹ کام کے جنرل آسٹن سے ملاقات کے فوراً بعد وزیرستان پر بمباری کا حکم ہو گیا۔ جنرل نے پاکستان کو امداد جاری رکھنے اور مستحکم تعلق کا وعدہ کیا تھا۔ ساتھ ہی سی آئی اے کے سربراہ جان برینن کا خفیہ دورۂ پاکستان! پہلے مذاکرات پر ڈرون حملہ ہوا تھا۔ اس پر بہت ہنگامہ ہوا۔ پھر یہ طے پایا کہ امریکہ بلاسبب بدنامی کیوں اٹھائے۔ یہ گندگیری (Dirty work) کولیشن سپورٹ فنڈ لینے والے فدویوں کا اپنا کام ہے۔ یوں بھی ڈرون صرف پانچ سات مارتا ہے۔ ہم نے پچھلی مرتبہ بمباری کر کے 70 مارے تھے۔ گزشتہ ہفتے کے دوران میر علی، دتہ خیل، باڑہ، تیرہ، ٹل اور میرانارہ میں فضائی حملوں سے 100 عسکری پسند مار ڈالنے کا دعویٰ ہے۔ غیر علانیہ آپریشن جاری وساری ہے۔ پہلے بھی ڈرائیور، مزدور مار کر اعلان یہی تھا کہ فلاں فلاں کارروائیوں میں ملوث دہشت گرد مار دیئے۔ حالیہ بمباری میں پشاور سینما پر حملہ کا ملزم مار ڈالنے کا دعویٰ کیا مگر دو دن بعد ایس ایس پی پشاور نے بھی یہی ملزم پکڑنے کا اعلان فرمایا! 2010ء میں اورکزئی آپریشن میں دہشت گردوں کے ٹھکانے تباہ کرنے کے نام پر تبلیغی مرکز پر بمباری کر کے 61 شہری نمازی مار ڈالے! ہماری اسلحہ ساز فیکٹریوں میں ڈھلنے والا اسلحہ، ہماری فضائی قوت وجبروت نہ پاکستان کو پیاسا مار دینے والے دشمن بھارت کے لئے ہے نہ مسلم کش امریکہ کے لئے۔ ہماری گھن گرج والی جنگی مشقوں کا ہدف مشرقی سرحدوں اور کشمیر کے تحفظ کے لئے نہیں ہے۔ یہ اپنی ہی پسماندہ ترین کچے گھروں پر مشتمل آبادیوں کے لئے ہے۔ روز سیاہ پاکستان را تماشا کن۔! (پاکستان کی کم نصیبی کا یہ دن بھی ہمیں دیکھنا تھا)۔

بابائے قوم کی جیب کے سارے کھوٹے سکوں کے ٹکسال کھل گئے۔ نہ دبنے، نہ جھکنے، نہ بکنے والے باپ کی اولاد ٹکے میں بکنے والی، اللہ کے سوا ہر در پر جھکنے والی ملک پر حکمران ہے۔ وردی میں ہو یا سویلین ملبوس۔ اسحٰق ڈار، سرتاج عزیز امریکہ سے قیمت چکائے بیٹھے ہیں۔ لڑو، مرو، مارو گے تو ٹکے ملیں گے۔ سو حقیقت صرف اتنی ہے، چند حرفی۔ باقی سب کہانیاں ہیں۔ اصلی دھماکے، پلانٹڈ دھماکے، گرجتی برستی پریس کانفرنسیں، چیختی چنگھاڑتی سرخیاں، کف آلود ٹاک شوئیے، سب کے پیچھے قائد اعظم والا کمزور نوٹ نہیں، جارج واشنگٹن والا کڑکتا ڈالر جھانکتا ہے۔ جس کی پشت پر دجالیت کی نمائندہ ایک آنکھ اصل کہانی بیان کر رہی ہے۔ یہ عظیم تر اسرائیل کے عالمی ایجنڈے ہیں جس کی طرف قدم بہ قدم بڑھتے ہوئے ہر خطرہ بننے کی صلاحیت رکھنے والے مسلم ملک کو تباہ کیا۔

جنگِ خلیج تا بعداز 11/9 تاخت و تاراج، عراق، مصر، افغانستان، شام دیکھئے۔ پاکستان رضا کارانہ طور پر فدوی بن کر امریکہ کے ہاتھ پر بیعت کر بیٹھا۔ باب الفتن میں احادیث نے جن مقامات کی نشاندہی کی ان میں سے ایک ایک اس کا ہدف ہے۔ مسلمان کو بغیر اسلام کے اسلامیات کا مخنثی معذرت خواہانہ تعلیمی نصاب لارڈ میکالے نے دیا۔ قرآن شجر ممنوعہ، حدیث کے لئے فتنۂ انکار حدیث۔ تاریخ جغرافیے سے مکمل محرومی۔ اقبالؒ نے خود ہی کہہ دیا تھا اپنے بارے۔ ایسے غزل سرا کو چمن سے نکال دو۔ لہٰذا چمن سے باہر بیٹھے میراثیوں کے حوالے شاعر انقلاب کر دیا گیا۔ اب مغربی پالیسی ساز ادارے 'خراسان' غوطہ (شام) سے خوب خوب واقف ہیں۔ لہٰذا ان کی بربادی ہدف ہے۔ غوطہ پر وحشیانہ حملے، قبائلی پٹی پر کسی صورت امن قائم نہ ہونے دینا، نارِ نمرود بھڑکائے رکھنا ان کی ضرورت اور ہمارے (حکمرانوں کے) شکم کی مجبوری ہے۔ آپریشن، آپریشن کی چیخ و پکار صرف وہ پرانی تاریخ دہراتی اور بنی اسرائیل کا وہ منظر تازہ کرتی ہے۔ 'برابا ڈاکو کو رہا کر دو۔ عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی دو!' ہمیں بھی کہا تو گیا تھا: 'یہ کہیں ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں پہلے کتاب دی گئی تھی، پھر ایک لمبی مدت ان پر گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے اور آج ان میں سے زیادہ تر فاسق بنے ہوئے ہیں۔' (الحدید:16)

نزولِ قرآن کے 1400 سال بعد آج ہم بھی روحِ ایمانی کھو چکے۔ کثیر تعداد ظاہری مذہبیت کا بے جان ڈھانچہ لئے، خدا فراموشی، دنیا پرستی میں ڈوبی ہے۔ تحریفوں، فلسفیانہ موشگافیوں اور میڈیائی چالبازیوں سے (رضا کارانہ) بہکا مسلمان دجالی جنگ کا لقمۂ تر ہے! طالبان کو دیکھتے ہی آئین آئین کی رٹ لگا دیتے ہیں۔ قرآن وسنت، شریعت کی بات سنتے ہی بھڑک بھڑک اٹھتے ہیں۔ بھنا کر کہتے ہیں آئین میں سارا قرآن موجود ہے! آئین، شریعت تو بہت اعلیٰ وارفع پیمانہ ہے۔ (یہ منہ اور مسور کی دال!) سیکولر پیمانوں پر بھی ذرا پرویز کے ہاں اس کی بالادستی دکھا دیجئے۔ اقراری مجرم (اپنی کتاب میں) جسے کئی نوٹس ہسپتال میں سرو ہوئے اور کوڑا دان کی نذر ہوئے۔ جس کی بعد از خرابی بسیار ایک پیشی پر 17 گاڑیاں، 1200 اہلکار، کروڑوں روپے غریب قوم کے لٹا کر، پورا دن عدالت کو پہلے منتظر رکھا۔ واپسی پر صحافی اور عدلیہ اس کے تحفظ کے لئے یرغمال بنی رہی! ملک کو پتھر کے زمانے میں پہنچا کر فوج کو امریکی غلامی میں دینے والے مجرم سے آئین کے اسباق پڑھ لیجئے! ملک میں حراستی مراکز کے جال بچھانے اور آبادیوں کو قبرستانوں میں بدل دینے کی پالیسی کے بارے آئین کیا کہتا ہے؟ انگریز کا بنایا FCR جو فرد کی سزا پورے قبیلے کو دیتا ہے آئین، شریعت، انسانیت کی رُو سے روا ہے؟ یہ صرف اسرائیلی قانون ہے فلسطینیوں کے لئے! طالبان کے بوڑھے والدین، عورتیں، بچے مقید کرنے بارے آئین کی رہنمائی کیا ہے؟ مولانا عبدالعزیز کی ضعیف والدہ (مسجد، جامعہ اور طلبہ وطالبات کی شہادت کے علاوہ) کی شہادت، جس میں لاش تک غائب کر دی جائے کس قانون، آئین کی پاسداری ہے۔ محمود خان اچکزئی نے جو حکومتی کمیٹی کے رکن رستم شاہ مہمند کے حوالے سے بتایا کہ اہلکار، مولانا فضل اللہ کی والدہ اور اہلیہ کو اٹھا کر لے گئے تھے۔ والدہ حراست میں انتقال کر گئیں، البتہ اہلیہ کو بعد ازاں چھوڑ دیا (جنگ، 17 فروری)۔ یہ اسلامی آئین کی کون سی شق کے تحت ہوا؟ سیکولر بے دین میڈیا کے نزدیک خواتین صرف بے حجاب وبے پردہ ہوں تو لائق اعتناء ہیں؟ باپردہ عورت کو اسلامی آئین کوئی تحفظ نہیں دیتا؟

دس لاکھ آبادی کو قبرستان بنا دینے کے متمنی ایک بوتلی دانشور اس امر پر غم وغصہ سے لوٹنیاں لگا رہے تھے کہ ان (داڑھی اور شریعت والوں) کو یکا یک اتنی اہمیت حاصل ہو گئی۔ ان کی بات سنائی جا رہی ہے۔ صفایا پھیر دو، کوئی ٹیلی ویژن پر نظر نہ آئے، خبروں میں نہ چھپے!

آزادیٔ اظہار رائے کے دعویداروں کا حقیقی چہرہ دیکھیے! تیرہ سالوں سے یکطرفہ سیکولر فاشسٹوں کی کھوکھلی گھسی پٹی (Rhetoric) سن سن کر کان پک گئے اور معدہ حلق کو آنے لگا۔ کیا حرج ہے کہ آپ کی چڑیا کے مقابل اُدھر کا کبوتر تواتر سے نہ سہی کبھی ہفتہ بھر میں گھنٹہ بھر آ کر اپنا مؤقف بیان کر دے؟۔ پوری قوم تیرہ سالوں سے گورے اور گور (عوام کی قبر) کے درمیان پھنسی ہے۔ جنرل پاشا کی طرح خود قوم گورکنوں کے حوالے کر کے دوبئی کے عشرت کدوں میں جا بسنے والے یہ پاکستان میں دوبئی سٹائل ریڈ زونز کے جزیروں میں رہنے والے بہ یک جنبشِ قلم 10 لاکھ کی آبادی پر بمباری سے موت برسانے والے، خود کتنا جی لیں گے؟ کیا انہوں نے یہ پڑھ لیا ہے۔ بُلھے شاہ اساں مرنا ناہیں۔!

ایک جانب شریعتی آئین کے ناک تلے کراچی میں فیشن شوز کے نام پر شرمناک برہنگی شوز اخبارات، ٹیلی ویژن پر بھرپور تشہیر کے ساتھ جاری و ساری ہیں۔ لباس کے نام پر دھجیاں اور چیتھڑے پہنے یہ جنسی دہشت گردی! دوسری جانب عصمت مآب مسلمان بیٹیوں کے کچے گھروں پر بمباری کر کے تن اور کپڑے چیتھڑوں میں تبدیل! اس آپریشن کا اصول وہی ہے جو پرویز نے لال مسجد آپریشن سے پہلے میڈیا سے طے کیا تھا۔ 'تم لاشیں نہ دکھاؤ تو میں آپریشن کر دوں گا'۔ یہاں بھی آزاد میڈیا جا کر شمالی وزیرستان سے براہ راست ازبک، چیچن یا 'دہشت گرد طالبان' کے مسمار شدہ ٹھکانے یا لاشیں کیوں نہیں دکھاتا؟ دعوے چیک ہو جائیں۔ کچے گھروں میں مقیم نشانہ بننے والے خاندانوں کے گھر والے بھی ہوا کرتے ہیں۔ وہ بھی روتے ہیں۔ ان کے بھی آنسو بہتے ہیں۔ یتیم بچے بلکتے ہیں۔ تصویریں کیوں نہیں چھپتیں؟۔ مکمل بلیک آؤٹ؟ مناظر کیوں نہیں دکھاتے؟۔ حقیقت یہ ہے کہ: ع

ہوس کے پنجۂ خونیں میں تیغِ کارزاری ہے

☆☆☆

اطلاع

تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع کے پروگراموں کی مفصل روداد آئندہ شمارہ میں شائع کی جائے گی۔ ان شاءاللہ! (ادارہ)

پاکستان میں ذریعہ تعلیم اردو یا انگریزی؟

حبیب علی، سوات

علم آگاہی کا نام ہے۔ آگاہی اور سمجھ بوجھ مادری زبان یا قومی زبان کے بغیر ممکن نہیں۔ یہ بھی واضح ہو کہ سمجھانے والا اور تعلیم دینے والا بھی اسی قوم کا ہم زبان ہو، ورنہ مقصد فوت ہو جائے گا۔ یعنی نہ دنیاداری صحیح ہو گی اور نہ دین ہاتھ آ جائے گا۔ اس لیے اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں فرمایا: (ترجمہ) ''ہم نے ہر ہر نبی کو اس کی قومی زبان میں ہی بھیجا ہے، تاکہ ان کے سامنے وضاحت سے بیان کر دے۔'' (سورۂ ابراہیم: 4) پھر جب اللہ تعالیٰ نے اہل دنیا پر یہ احسان فرمایا کہ ان کی ہدایت کے لئے کتابیں نازل کیں اور رسول بھیجے تو اس احسان کی تکمیل اس طرح فرمائی کہ ہر رسول کو اُس کی قوم میں سے بھیجا جو اُسی کی زبان بولتا تھا، تاکہ کسی کو ہدایت کا راستہ سمجھنے میں دقت نہ ہو۔ یعنی قوم، کتاب اور رسول کی زبان ایک ہوتی تھی۔ رسول کا مقصد لوگوں کو ظلمات سے نکال کر نورِ ہدایت میں لانا ہوتا ہے۔ یہ مقصد بیان و تبین پر منحصر ہے اور بیان کی زبان وہی ہو سکتی تھی جو اس رسولؑ کی قوم کی ہو، ورنہ مقصد فوت ہو جاتا۔ حضرت محمد رسول اللہ کی رسالت آفاقی، دائمی اور کائناتی ہے۔ آپؐ کی زبان مبارک عربی تھی۔ آپؐ کے اوّلین مخاطب عرب تھے، تاکہ آپؐ اپنی قوم کی زبان میں اولین مخاطبوں کو سمجھائیں اور پھر آپؐ پر ایمان لانے والے آپؐ کی دعوت کو دنیا کے مختلف گوشوں، کونوں اور ملکوں میں انہیں (اقوام) کی زبانوں میں پہنچائیں۔ جب اقوام عالم کو انہیں کی زبانوں میں سمجھانا اور اپنے پیغام سے آگاہ کرنا اللہ تعالیٰ کا طریقہ تعلیم ہے تو وطن عزیز کے بچوں کو قومی زبان میں سمجھانا ہمارا طریقہ تعلیم (پاکستانیوں کا) کیوں نہیں ہو سکتا؟ ہم کدھر پھر رہے ہیں؟

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں انبیاء پر نازل فرمائیں، ان کی اصلی زبان عربی ہی تھی۔ جبرائیلؑ امین نے قومی زبان میں ترجمہ کر کے پیغمبروں کو بتلایا، اور انہوں نے اپنی قومی زبان میں امتوں تک دعوت پہنچائی تاکہ اللہ تعالیٰ کا پیغام سمجھنے میں لوگوں کو دشواری نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام عبرانی زبان بولتے تھے، لہٰذا تورات عبرانی زبان میں نازل ہوئی۔ عیسیٰ علیہ السلام کی قومی زبان سریانی تھی تو انجیل بھی اسی زبان میں آئی۔ اس طرح سارے انبیاء کا معاملہ ہے۔

عہد عباسیہ (750ء سے 1258ء) میں بغداد میں بیت الحکمت کے نام سے ایک کتب خانہ تھا جس میں مختلف علوم وفنون اور مختلف زبانوں مثلاً سنسکرت، ہندی، عربی، فارسی، سریانی اور قبطی زبانوں کی تقریباً دس لاکھ (10,0000) کتب موجود تھیں۔ اس کتب خانے کے دو حصے تھے۔ ایک حصہ میں کتب کی فراہمی ہوتی تھی اور دوسرے حصہ میں غیر ملکی زبانوں کے تراجم کئے جاتے تھے۔ اس وقت عالم اسلام بام عروج پر تھا۔ جو ملک بھی فتح ہوتا اس ملک کے کتب خانوں کو جلانے کی بجائے بغداد منتقل کر کے بیت الحکمت میں جمع کر دیا جاتا تھا۔ یہاں ان کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا جاتا تھا تاکہ مسلمان بچے اور طلبہ آسانی سے انہیں پڑھ سکیں، اور دوسرے لوگوں کے علوم اور تجربات سے فائدہ اٹھائیں۔ اور اس طرح خود ان پر نئی تحقیق کے دروازے کھل جائیں۔ اس کتب خانہ کو دینی و دنیوی یونیورسٹی کا درجہ دے دیا گیا تھا۔ وہ ساری دنیا کے طالبان علم کے لئے کھلی رہتی۔ اسی طرح کی کئی مثالیں تاریخ میں موجود ہیں۔ مگر یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ عربوں نے علوم وفنون میں جو ترقی کی تھی اُس کی وجہ یہ تھی کہ ایک طرف قرآن وسنت پر اُن کی نظر تھی، جن کی روشنی میں انہوں نے علم وحکمت کی بات جہاں پائی اپنی میراث سمجھ کر اُٹھالی۔ دوسری طرف وہ علوم کو عربی میں ترجمہ کراتے اور اس کو ترقی کے بام عروج پر پہنچاتے۔ جب انگریزوں اور دوسری اقوام نے مسلمانوں کو فتح کیا تو وہ قیمتی کتابیں اپنے ساتھ لے گئے اور اپنی زبانوں میں اُن کے ترجمے کرائے۔ یہی وجہ ہے کہ آج وہ علوم میں اقوام عالم کے امام بن گئے، جو کبھی مسلمانوں کی میراث تھی ۔

مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

مولانا ابوالکلام آزادؒ کے علمی مقام و مرتبہ کو کون نہیں جانتا۔ وہ ہندوستان کے وزیر تعلیم بھی رہے۔ فرماتے ہیں: ''مادری زبان میں تعلیم ایسی ہے جیسے بچے کو بادام سے چھلکا اتر کر بادام کا مغز دیا جائے۔ جب وہ کھائے گا

تو ذائقہ محسوس کرے گا، اور شوق سے کھائے گا (صحت کو فائدہ بھی دے گا)۔ کسی اور زبان میں تعلیم دینا ایسا ہے جیسے بچے کو بادام چھلکے سمیت کھلایا جائے۔ اسے نہ ذائقہ کا پتہ چلے گا، اور نہ اس کے بدن کو فائدہ پہنچے گا، بلکہ وہ چھلکا اتارنے میں وقت گزارے گا۔"

اس طرح مشہور و معروف کالم نگار اور دیانتدار اعلیٰ افسر اوریا مقبول جان فرماتے ہیں: "دنیا کی پانچ ہزار سالہ تاریخ میں کوئی ایک قوم بھی ایسی نہیں جس نے کسی دوسرے کی زبان میں علم حاصل کرکے ترقی کی ہو۔ صرف ایک ملک ہے سنگاپور، جس نے انگریزی زبان میں تعلیم کا تجربہ کیا اور بیس سال بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اس تجربے نے ان کے ہاں تخلیقی تحقیق (Creative Research) کے دروازے بند کردیئے ہیں اور اب وہ بالکل لکیر کے فقیر بن کے رہ گئے ہیں۔"

ہمارے ہاں بھی ایک اہم مسئلہ ذریعہ تعلیم کا ہے۔ اگر تعلیم قومی زبان میں دی جائے تو امید کی جاسکتی ہے کہ ملک وقوم کے نونہال علم کے زیور سے آراستہ ہوجائیں گے۔ اگر غیر زبان میں تعلیم دی جائے تو حصول علم مشکل ہی نہیں، ناممکن ہو جائے گا۔ صرف اتنا ہوگا کہ بچے انگریزی کے چند فقرے بول سکیں گے جو ہرگز علم نہیں کہلاسکتا۔ کسی قوم کو باعلم و باعمل بنانے کا آسان راستہ یہی ہے کہ دنیا میں جتنے علوم و فنون ہیں، جن جن قوموں نے جس میدان میں تحقیق کی ہے اُن کی تحقیقات اور تجربات کا قابل، باصلاحیت اور اسی میدان کے جاننے والوں کے ذریعے قومی زبان میں ترجمہ کرایا جائے اور پھر انہیں اپنے نصابوں میں مرحلہ وار شامل کیا جائے، تاکہ طالبان علم کی آسانی سے تمام علوم تک رسائی ہوجائے۔

کیا یہ عقل کی بات ہے کہ ایک سو طلبہ کی کلاس کو اس بات پر مجبور کیا جائے کہ تم لوگ غیر ملکی زبان میں فزکس سیکھو۔ سیکھنا الگ اور غیر زبان سیکھنے کے لئے پاپڑ بیلنا الگ۔ اگر اس کے بجائے فزکس کے ایک قابل دیانت دار استاد کو اس کام پر لگایا جائے کہ اس مضمون کا قومی زبان میں ترجمہ کرے اور پھر طلبہ کو اپنی زبان میں یہ کتاب پڑھائی جائے تو اس میں بے حد آسانی ہوگی۔ اس سے کتنا ہی وقت بچ جائے گا۔ تھوڑی محنت سے بھی تصورات (Concepts) بہت حد تک واضح ہوجائیں گے۔

لہٰذا پہلی جماعت سے تو کجا کسی بھی درجے میں انگریزی کو ذریعہ تعلیم بنانا کسی طور سودمند نہیں۔ اس لئے کہ اس سے

☆ حصول تعلیم کی راہ میں رکاوٹ ہوگی۔

☆ قومی زبان پر غیر ملکی زبان کو اہمیت اور ترجیح دینا آئین پاکستان کے ساتھ غداری ہوگی۔

☆ طلبہ و طالبات کے لئے دہری مشکل پیدا ہوگی۔

☆ آئندہ نسل سے خیانت ہوگی، جس پر اس کے برے اثرات مرتب ہوں گے۔

☆ انگریزی ذریعہ تعلیم سے تعلیم پانے والے افراد اجنبی کلچر کے نمائندہ بن کر اپنی تہذیب وروایات سے کٹ جاتے ہیں۔ چنانچہ قوم کی عظیم اکثریت ترقی کے عمل میں شریک نہیں ہوگی۔

☆ انگریزی کی بالادستی سے ایک مخصوص طبقہ اپنا طبقاتی تفوق برقرار رکھتے ہوئے حاکم بنا رہے گا، اور دوسرے ہم وطن محکوموں میں شمار ہوں گے۔

☆ یہ اسلامی ثقافت اور مسلم روایات سے نوجوان نسل کو ناآشنا رکھنے کی دانستہ کوشش ہوگی۔

☆ اور سب سے بڑھ کر اس سے بچوں میں تحقیق و تخلیق کی صلاحیت ماند پڑ جائے گی اور یہ سب سے بڑا ظلم ہوگا۔

خیبر پی کے حکومت نے انگریزی کو ذریعہ تعلیم بنانے کا فیصلہ کیا ہے اور اس فیصلے کے جواز میں معصومانہ انداز سے یہ کہا گیا ہے کہ "اس سے طبقاتی تعلیم کا خاتمہ ہوگا اور عام سرکاری سکولوں میں تعلیم حاصل کرنے والے نونہال بھی انگریزی میڈیم اور پبلک سکولوں کے طلبہ سے برابر کا مقابلہ کرسکیں گے"۔ "مقابلہ" کو ذہن میں رکھئے۔ آپ بچوں کو صرف ذریعہ تعلیم انگلش دیں گے نا۔ غربت زدہ قوم کے بچوں کو روزانہ صبح ناشتے میں پراٹھا اور انڈا کون دے گا۔ پاکٹ منی جو ڈیڈی سٹوڈنٹ کو دیتا ہے وہ سرکاری سکول کے بچے کو کہاں سے ملے گا؟ اشرافیہ کے بچے مہنگی گاڑیوں میں پبلک سکول جاتے ہیں۔ کیا آپ سرکاری سکول کے بچے کو عام وین میں ہی سکول میں پہنچانے کا اہتمام کریں گے؟ میں کیا کہوں؟ تم کو سمجھانے میں دیر لگے گی۔

جب چلی ٹھنڈی ہوا بچہ ٹھٹھر کر رہ گیا
ماں نے اپنے لال کی تختی جلادی رات کو

انگریزی ذریعہ تعلیم کے اثرات بد آنکھیں رکھنے والے ہر فرد کو نظر آرہے ہیں۔ اردو کو ذریعہ تعلیم بنانا تعلیمی ترقی میں ہرگز رکاوٹ نہیں، بلکہ اسی سے ترقی کی راہیں کھلیں گی۔ ممی ڈیڈی طبقہ کو شاید اس کا علم نہیں، مگر یہ حقیقت ہے کہ آج سے چھ سات عشرے قبل بہاولپور، بھوپال اور حیدرآباد دکن وغیرہ میں اردو صرف سرکاری ہی نہیں، تعلیمی زبان بھی تھی اور یہاں سائنسی تعلیم بھی اردو میں دی جاتی تھی۔ ڈاکٹر عثمانی، ڈاکٹر عبدالقدیر خان، جسٹس ایم اے صمدانی نے ایف ایس سی اور بی ایس سی کے امتحان اردو زبان میں دیئے۔ اور پاکستان میں ایٹمی پروگرام کے بانی ڈاکٹر عثمانی نے فزکس، کیمسٹری اور ریاضی کی اعلیٰ تعلیم بھی اردو میں حاصل کی۔ پاکستان کی پہلی اقتصادی ٹیم جس نے ملک کو فاضل بجٹ دے کے مستحکم بنیادوں پر کھڑا کیا علی گڑھ کے تعلیم یافتہ لوگوں پر مشتمل تھی جبکہ پچاس، ساٹھ اور ستر کے عشروں کے بعد تک پاکستان کا انتظامی کنٹرول ان بیوروکریٹس کے ہاتھ میں رہا جو ٹاٹ سکولوں سے اردو میڈیم میں تعلیم حاصل کر کے آئے تھے۔ انہیں میں سے مصنف، دانشور، کالم نگار اور پلاننگ کمیشن کے ماہرین سامنے آئے۔ اور ان لوگوں نے بیرونی جامعات میں خدمات بھی انجام دیں۔ ماضی کے تمام نامور انجینئرز اور ڈاکٹرز بھی دسویں تک اردو میڈیم سکولوں میں پڑھتے رہے، جہاں چھٹی جماعت سے انگریزی لازمی تھی۔ 1990 اور 2000ء کے جس کاٹھ کباڑ نے بیوروکریسی، فوج، طب، تعلیم اور انجینئرنگ وغیرہ کا بیڑہ غرق کیا، ان کی اکثریت البتہ انگلش میڈیم سکولوں کی تعلیم یافتہ تھی۔ اور ایچی سن کالج سمیت زیادہ تر اعلیٰ تعلیمی اداروں نے ہمیں منہ ٹیڑھا کر کے انگریزی بولنے والے وہ سیاستدان، فوجی، جج وغیرہ عطا کیے جن کی نااہلی، کرپشن اور کند ذہنی کی داستانیں اندرون و بیرون ملک عام ہیں۔ یہ لوگ اپنوں کی بجائے غیروں کی خدمت ضمیر بیچ کر کرنا جانتے ہیں۔ نام گننے کی ضرورت نہیں۔

انگریزی کی اہمیت اور عالمی سطح پر پذیرائی سے کسی کو انکار نہیں مگر یہ نہ تو ہماری قومی زبان کا نعم البدل ہے اور نہ اسے علاقائی وقومی زبانوں ہی کی جگہ ذریعہ تعلیم بنا کر ترقی کی منزلیں طے کی جاسکتی ہیں۔ فرانس، جرمنی، جنوبی کوریا، ایران، چین، جاپان، روس غرض کسی ترقی یافتہ ملک نے انگریزی کو ذریعہ تعلیم بنا کر ترقی نہیں کی۔ سری لنکا، بنگال وغیرہ تو ترقی پذیر ہیں۔ کیا ان کی مثالیں ہمیں زیب دیتی ہیں؟ ع پردہ اُٹھنے کی منتظر ہے نگاہ۔ ذرا مستقبل میں ان کے انجام کا انتظار تو کرو۔ پاکستان نے مختلف مواقع پر اپنی ناسمجھی یا بیرونی سازشوں یا این جی اوز کے لالچ پر ایک نظام تعلیم، ایک نصاب تعلیم اور ایک ذریعہ تعلیم کی جگہ نئی نئی کوششیں کیں اور تجربے کئے مگر نقصان اٹھایا۔ ہم نہ ادھر کا رہے نہ اُدھر کے رہے۔

قائد اعظم نے ڈھاکا یونیورسٹی میں خطاب

کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''سرکاری زبان واضح طور پر اردو ہونی چاہیے۔ جس کی آبیاری اس برصغیر کے دس کروڑ عوام نے کی۔ جو زبان پاکستان کے طول وعرض میں سمجھی جاتی ہے۔ اور اس سے بڑی بات یہ کہ وہ زبان ہے جس میں کسی اور صوبائی زبان کے مقابلے میں اسلامی ثقافت اور مسلم روایات کے بہترین مظاہر موجود ہیں''۔ قائداعظم انگریزی کی اہمیت سے آگاہ تھے اور انگریزی کلچر کی تباہ کاریوں سے بھی واقف۔ لیکن ہم ہیں کہ بانی پاکستان کی بات ماننے پر آمادہ نہیں، بلکہ اللہ کے کلام (سورۃ ابراہیم آیت: 4) سے فائدہ اٹھانے کو بھی تیار نہیں۔ شاید نوجوان نسل کے سوچنے کی صلاحیت کو زنگ آلودہ کرنے کا ارادہ ہے۔ جب مستقبل میں اردو کسی کو لکھنا، پڑھنا نہ آئے گا، تو یہ قومی زبان کہاں رہے گی۔

ہماری رائے یہ ہے کہ اگر انگریزی کو اہمیت دینا ہی ہے اور دینا بھی چاہیے تو صحیح انگریزی پڑھانے کے لیے ٹھوس اقدامات کیے جائیں۔ میڈیم بنائے بغیر بھی انگریزی پڑھائی اور سمجھائی جاسکتی ہے۔ اس کا ایک آسان نسخہ یہ ہے کہ میٹرک کے بعد داخلوں کے انتظار میں جو کئی مہینے ضائع ہوتے ہیں، اس دوران میں انگریزی کے اچھے کورس حکومت اپنی سرپرستی میں کم فیسوں سے یا مفت شروع کرادے۔ پھر یہ کہ ایک استاد جو خالصتاً انگریزی زبان کے لئے وقف ہوں، روزانہ کلاس ہشتم، نہم اور دہم کو انگریزی پڑھائیں۔ اس طرح میٹرک کرنے تک ایک بچہ انگلش بول سکے گا اور جہاں بھی جائے گا اپنی قومی زبان میں سیکھے ہوئے علم اور مافی الضمیر کا اظہار کر سکے گا۔ ہاں اگر آپ لوگوں کا مقصد صرف رحمان ملک اور پرویز مشرف جیسے لوگ پیدا کرنا ہے تو پھر انگریزی کو قوم پر ضرور مسلط کیجیے۔ ہمیں سنجیدہ قوم کی ریت اپناتے ہوئے قومی زبان کو ذریعہ تعلیم بنانا چاہیے، مادری زبانوں کو ان کا جائز مقام دیا جائے اور انگریزی اور عربی زبانوں کی بہتر تدریس کا اہتمام کیا جائے۔ ملک کی مقتدر قوتیں اس حوالے سے عوام دوست نہیں، بلکہ عوام دشمن، ملک دشمن اور اسلام دشمن پالیسوں پر عمل کر رہی ہیں۔

آخری بات۔ تعلیمی عمل میں ذریعہ تعلیم کے علاوہ بھی دو اہم چیزیں ہیں: ایک نصاب تعلیم (دارالعلوم + کالج = اسلامی نصاب) اور دوسرا نظام تعلیم۔ خیبر پختونخوا میں حکمران جماعت کا الیکشن سے پہلے نعرہ تھا کہ یکساں نصاب اور یکساں نظام تعلیم رائج کریں گے۔ اللہ نے انہیں اقتدار عطا کر کے بہت بڑی آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ اب اُن کے عمل کا وقت ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ نصاب تعلیم کو آخرت کی جوابدہی، قومی خدمت اور ملکی ترقی کے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا جائے۔ ایک وقت میں کئی نظام تعلیم کی روش ترک کی جائے۔ اس وقت پاکستان میں بیس سے زائد نظام ہائے تعلیم ''خدمت'' کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ جن میں اردو میڈیم، انگلش میڈیم اور دینی مدارس نمایاں ہیں۔ ان تینوں سلسلوں کی آگے بیسیوں قسمیں ہیں۔ اس صورتحال کا واضح نتیجہ یہ ہے کہ ملک میں فکری حوالے سے کئی قسم کی نسلیں تیار ہورہی ہیں اور ملک کی آبادی مختلف متحارب فکری، ثقافتی اور معاشی طبقوں میں تقسیم ہورہی ہے۔ اور طاقتور تعلیمی نظام کے پروردہ گروہ نے دیگر تعلیمی سلسلوں خصوصاً سرکاری تعلیمی اداروں سے فارغ ہونے والے طلبہ کو محکومی اور بے بسی کی بھینٹ چڑھا رکھا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ یکساں ذریعہ (زبان) تعلیم، یکساں نصاب تعلیم، یکساں نظام تعلیم اور یکساں نظام امتحان بروئے کار لاتے ہوئے قومی ترقی اور قومی یکجہتی کے راستے پر چلا جائے۔ پاکستان میں طبقاتی، لسانی، فرقہ وارانہ اور استحصالی سوچ سے چھٹکارا پانے کے لیے ضروری ہے کہ پاکستان کے لیے پاکستانی نظام تعلیم (کلمہ کی بنیاد پر) رائج کیا جائے، جس میں دینی اعتبار سے پختگی، فنی اعتبار سے وسعت، علمی لحاظ سے گہرائی اور حصول علم کے مساویانہ مواقع موجود ہوں۔

اگر یہ کارنامہ ''ایک نصاب، ایک نظام اور ایک زبان (قومی)'' انجام دے دیا جائے تو ملک وقوم کے ساتھ یہ بہت بڑی نیکی ہوگی۔ یہ کام مشکل ضرور ہے، لیکن ناممکن ہرگز نہیں۔ بیوروکریسی (فوجی وسول) اس کام میں رکاوٹ ڈالے گی، مگر ہمت کریں ورنہ موجودہ نظام تعلیم کا حال تو یہ ہے کہ ؎

ما خو وې چه نا بینا به پرې بینا شي
دې تعلیم خو ستر گور را ته ړانده کړو
(حمزہ بابا)

[میں تو سمجھ رہا تھا کہ یہ (نظام تعلیم) نابینا کو بینا (دیکھنے والا) بنادے گا۔ لیکن اس تعلیم نے تو بینا کو نابینا بنا دیا۔]

بقول علامہ اقبالؒ

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے تیرا
کہاں سے آئے صدا لا اِلٰہ اِلّا اللہ!
اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غمناک
نہ زندگی، نہ محبت، نہ معرفت، نہ نگاہ!

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں حصول پاکستان کے مقصد اسلامی نظام کے قیام کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

رفقاء متوجہ ہوں

ان شاءاللہ

''قرآن اکیڈمی یاسین آباد کراچی'' میں

15 تا 21 / مارچ 2014ء

(بروز ہفتہ نماز عصر تا بروز جمعۃ المبارک نماز جمعہ)

مبتدی تربیتی کورس

کا انعقاد ہو رہا ہے، زیادہ سے زیادہ رفقاء اس میں شامل ہوں،
موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

برائے رابطہ: 0345-2789591، 021-34816580-81

قافلہ تنظیم اسلامی: منزل بہ منزل

خلافت فورم میں فکر انگیز مذاکرہ

مہمانِ گرامی: ایوب بیگ مرزا (ناظم نشر و اشاعت تنظیم اسلامی)

میزبان: وسیم احمد　　　　مرتب: فرقان دانش

سوال: ڈاکٹر اسرار احمدؒ کو بچپن ہی سے قرآن پاک اور علامہ اقبال کی شاعری سے خصوصی لگاؤ اور شغف تھا۔ اپنے زمانہ طالب علمی میں وہ اسلامی جمعیت طلبہ کے رکن بنے اور اس کے ناظم اعلیٰ کے عہدے تک پہنچے۔ جب عملی زندگی میں آئے تو جماعتِ اسلامی میں شمولیت اختیار کی۔ کچھ عرصہ بعد جماعتِ اسلامی کو خیر باد کہہ کر تنظیم اسلامی قائم کر دی۔ آپ ان کے اس طویل سفر کو کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

ایوب بیگ مرزا: ڈاکٹر صاحب کے لڑکپن (نوجوانی) کا معاملہ عام لوگوں سے کچھ مختلف تھا۔ آپ اندازہ کیجیے، ایک چھٹی جماعت کا طالب علم بانگِ درا کا مطالعہ کرتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس وقت اس پوزیشن میں تو نہ ہوں گے کہ وہ اس کو مکمل سمجھ سکیں، لیکن اس سے اُن کے اعلیٰ ذوق اور میلان کی عکاسی ہوتی ہے۔ اقبال کی شاعری کے ذریعے تحریکِ پاکستان سے ایک تعلق قائم ہوا۔ وہ بتایا کرتے تھے کہ جب وہ ابھی سکول میں پڑھتے تھے تو حصار کے ریلوے سٹیشن پر جاتے تھے اور وہاں سے نوائے وقت اخبار حاصل کر کے، (جس میں تحریک پاکستان کے حوالے سے بڑی خبریں ہوتی تھیں) شہر بھر میں خود تقسیم کرتے تھے۔ یعنی جماعتی زندگی (اجتماعیت) کا معاملہ ان کے خمیر میں شامل تھا۔ پاکستان میں اُنہوں نے میڈیکل کالج میں داخلہ لیا۔ دورانِ تعلیم وہ اسلامی جمعیت طلبہ کے رُکن سے ناظم اعلیٰ کے عہدے تک جا پہنچے۔ جب وہ اپنی تعلیم سے فارغ ہوئے تو بقول ڈاکٹر صاحب کے ''میں نے سمجھا کہ میں ایک دن بھی ایسا نہ گزاروں جو جماعتی زندگی سے الگ ہو۔ لہٰذا جس دن تعلیم مکمل کی اُسی دن جماعت اسلامی کی رکنیت اختیار کر لی اور اس کے لیے دن رات ایک کیا۔'' یہ ایک لمبی داستان ہے۔ بہرحال 1957ء کے ماچھی گوٹھ کے اجتماع میں انہوں نے جماعت اسلامی سے اپنے اختلافات کا اظہار کیا۔ ڈاکٹر صاحب کے مطابق جماعتِ اسلامی قبل از تقسیم ہند ایک اُصولی اسلامی انقلابی جماعت تھی، لیکن پاکستان بننے کے بعد وہ ایک اسلام پسند قومی سیاسی جماعت بن گئی۔ اس فرق کو ڈاکٹر صاحب نے محسوس کیا کہ اب یہ اُصولی اسلامی انقلابی جماعت نہیں رہی، اس کا سیاست سے اب براہِ راست تعلق ہو گیا ہے۔ انتخابات میں حصہ لینے کے حوالے سے ان کے ذہن میں یہ بات راسخ ہوگئی تھی کہ ہم اسلام کے لیے کام کر رہے ہیں اور ہمارا اصل ہدف یہ ہے کہ ملک میں اسلامی نظام قائم ہو، جبکہ انتخابات کے ذریعے اسلامی نظام قائم نہیں ہو سکتا۔ یہ صرف انہی کا اختلاف نہیں تھا بلکہ ان کے ساتھ کچھ اور سینئر لوگ بھی تھے۔

سوال: ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے 1972ء میں انجمن خدام القرآن بنائی، 1975ء میں تنظیم اسلامی کی بنیاد رکھی۔ بعد ازاں تحریک خلافت لانچ کر دی۔ آپ کے خیال میں یہ سب کچھ ان کی طبیعت کا میلان تھا یا فکری کنفیوژن؟

ایوب بیگ مرزا: یہ ہرگز فکری کنفیوژن نہ تھا بلکہ یہ ایک تسلسل تھا۔ ڈاکٹر صاحب جب جمعیت سے منسلک تھے، یا جماعت اسلامی میں تھے تو ان کے اجتماعات میں درسِ قرآن کی ذمہ داری زیادہ تر ڈاکٹر صاحب کے کندھوں پر آتی تھی۔ مقصد یہ تھا کہ قرآن کا پیغام لوگوں تک پہنچایا جائے اور لوگوں کو بتایا جائے کہ قرآن کا نظام ہے کیا؟ اسلامی نظام کیا ہوگا؟ کس طرح نافذ ہوگا وغیرہ۔ جب ڈاکٹر صاحب جماعت اسلامی سے الگ ہوگئے تو انہوں نے ایک عرصہ تک انتظار کیا کہ جماعت اسلامی سے الگ ہونے والے سینئر لوگ کوئی جماعت قائم کریں، تاکہ اُن کے ساتھ کام کر سکیں۔ ڈاکٹر صاحب کی عمر اس وقت صرف 25 سال تھی۔ دوسرے لوگ عمر میں بھی ڈاکٹر صاحب سے بڑے تھے اور یقینی طور پر علم کے حوالے سے بھی آگے تھے۔ ڈاکٹر صاحب بتاتے ہیں کہ میں نے باقاعدہ انتظار کیا کہ جس مقصد کے لیے ہم نے جماعتِ اسلامی چھوڑی ہے اسے آگے بڑھایا جائے۔ ان کے مطابق ہم نے جماعت اسلامی اس لیے تو نہیں چھوڑی کہ ہم گھر بیٹھ جائیں۔ یعنی جماعت اسلامی اگر اب اصولی اسلامی انقلابی جماعت نہیں رہی اور اگر اب وہ اپنی پٹڑی سے ہٹ گئی ہے تو اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ایک جماعت بنانے کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں میں نے جماعت اسلامی سے علیحدگی کے بعد جو بھی وقت گزارا وہ اس انتظار میں گزارا ہے۔ اس دوران بھی انہوں نے اس درس قرآن والا کام جاری رکھا۔ ان کا درس قرآن لوگوں نے ان کی اپنی توقع سے بڑھ کر پسند کیا۔ اسی لیے ایک ضرورت محسوس کی گئی کہ قرآن کے پیغام کو پھیلانے کے لیے کوئی باقاعدہ ادارہ بنانا چاہیے۔ یہ کام صرف ایک فرد نہیں کر سکے گا بلکہ اس کے لئے کسی ادارے کی تشکیل کی ضرورت ہے۔ لہٰذا قرآن کا پیغام پھیلانے کے لیے اور قرآن کے ابلاغ کے لیے انجمن خدام القرآن قائم کی گئی۔ جس روز ڈاکٹر صاحب نے انجمن کے قیام کا اعلان کیا تھا، اسی دن اوّلین خطاب میں مخاطبین سے کہا کہ انجمن بنانا میرا ہدف نہیں ہے، یہ میں پہلے قدم کے طور پر کر رہا ہوں۔ لہٰذا کوئی فکری کنفیوژن نہیں تھا۔ بلکہ یہ باتیں پہلے سے طے شدہ تھیں کہ پہلے انجمن کا قیام ہوگا پھر جن لوگوں نے جماعت اسلامی چھوڑی تھی اگر انہوں نے کوئی جماعت تشکیل دے دی تو میں اس کا حصہ بن جاؤں گا۔

سوال: ڈاکٹر صاحب نے 1957ء میں جماعتِ اسلامی چھوڑی ہے، اس وقت سے انجمن خدام القرآن کے قیام تک 15 سال کا عرصہ ہے۔ 15 سال ڈاکٹر صاحب صرف انتظار کرتے رہے؟

ایوب بیگ مرزا: بالکل! لیکن یہ انتظار فارغ بیٹھ کر نہیں ہوا، بلکہ وہ لوگوں سے رابطہ کرتے رہے، سینئر لوگوں کو دعوت دیتے رہے کہ آئیں اور جماعت بنائیں۔ 1967ء میں ایک جماعت بن بھی گئی تھی جو ان سینئر لوگوں نے بنائی تھی، لیکن پھر اس ضمن میں کوئی پیش رفت نہ ہو سکی۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے کوشش شروع کی اور 1972ء میں انجمن خدام القرآن بنائی۔ 1975ء میں انہوں نے جس بنیاد پر جماعت اسلامی سے اختلاف کیا تھا اسی مقصد کے حصول کے لیے تنظیم اسلامی کی داغ بیل ڈالی۔ جہاں تک تحریکِ خلافت کا تعلق ہے، یہ تنظیم اسلامی کا ہی حصہ ہے۔ یعنی اپنا ہدف حاصل کرنے کے لیے انہوں نے تنظیم اسلامی کے ساتھ تحریک خلافت کی داغ بیل ڈالی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ لوگ خلافت کے نام سے زیادہ آشنا ہیں۔ لہٰذا لوگوں کو بتایا جائے کہ تنظیم اسلامی جو نظام قائم کرے گی وہ نظامِ خلافت ہوگا۔ تنظیم کے پیغام کو پھیلانے کے لیے اسے تحریکِ خلافت کا نام دے دیا گیا۔

ان تینوں میں تسلسل کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب فرمایا کرتے تھے کہ انجمن خدام القرآن جڑ ہے، تنظیم اسلامی اس کا تنا ہے اور تحریک خلافت اس کی شاخیں ہیں۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کسی صورت میں بھی وہ کوئی فکری کنفیوژن نہیں تھا بلکہ وہ ایک ہی فکر کا تسلسل تھا۔

سوال : آپ نے بڑی اچھی مثال دی ہے کہ یہ جڑ ہے، یہ تنا ہے اور یہ شاخیں ہیں، لیکن مجھے بتائیں کہ پھل کہاں ہے؟

ایوب بیگ مرزا : پھل کا حصول انسان کے بس کی بات نہیں۔ انسان کا کام تو یہ ہے کہ وہ زمین ہموار کرے، ہل چلائے، پانی دے، بیج ڈالے اور اس کی حفاظت کرے۔ پھل لگنا یا نہ لگنا یہ اللہ کے اختیار میں ہے، یہ انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ جو لوگ بھی دین کا کام کر رہے ہیں ان کا فرض جدوجہد کرنا ہے۔ ضروری نہیں کہ اس جدوجہد کا نتیجہ (یعنی پھل) فوری طور پر ملے۔ تاہم اس جدوجہد کا پھل ایک لحاظ سے لازماً ملتا ہے۔ یہ جدوجہد کوئی دنیاوی مقاصد حاصل کرنے کے لیے نہیں تھی۔ یقیناً ایک دنیوی ہدف تھا کہ اسلام بحیثیت نظام قائم ہو جائے لیکن اصل ہدف تھا اللہ کی رضا اور اُخروی نجات کا حصول۔ اس اعتبار سے اصل کام یہ تھا کہ قوم کو وہ راستہ، وہ صراطِ مستقیم دکھایا جائے جس پر چل کر اس کی دنیا بھی بن جائے اور اس کی آخرت بھی سنور جائے۔ لہٰذا پھل اس صورت میں تو ڈاکٹر صاحب کو ملا اور ان شاء اللہ ملے گا کہ ان کی اُخروی نجات کا سامان اور آخرت میں درجات کی بلندی ہوگی۔

سوال : تنظیم اسلامی میں شمولیت کے لیے بیعت کا نظام اپنایا گیا اور اسے بیعت جہاد کہا جاتا ہے۔ یہ بتائیے کہ بیعت ارشاد اور بیعت جہاد میں کیا فرق ہے؟

ایوب بیگ مرزا : بیعت ارشاد کا سلسلہ اس وقت شروع ہوا تھا جب اسلام بحیثیت نظام عالم عرب میں اور عرب سے باہر بھی نافذ ہو گیا۔ خلیفۂ وقت کی یہ ذمہ داری ہوتی تھی کہ وہ تمام فیصلے اسلام اور شریعت کے مطابق کرے۔ اس وقت عام لوگوں کے لیے کرنے کا کوئی اور کام نہیں تھا کیونکہ اسلام بحیثیت نظام قائم تھا۔ اسے قائم کرنے کی نہیں بلکہ قائم رکھنے کی ضرورت تھی۔ اب ضرورت تھی لوگوں کی ذاتی اصلاح کی۔ لفظ ارشاد ''رشد'' سے نکلا ہے یعنی لوگوں کی رہنمائی کرنا، ذاتی حوالے سے ان کو تزکیہ میں مدد دینا کہ کس طرح لوگ اچھے مسلمان بن سکتے ہیں۔ کس طرح اللہ کے پسندیدہ بندے بن سکتے ہیں، کس طرح اللہ کی رضا حاصل کر سکتے ہیں؟ لہٰذا اس رشد و ہدایت کے سلسلے کے لیے ایک نظام قائم کیا گیا۔ وقت کے جو اچھے لوگ ہوتے تھے وہ عام لوگوں سے بیعت لیتے تھے، جسے بیعتِ ارشاد کہا جاتا تھا۔ اس تعلق کے ذریعے ان کی اصلاح کی جاتی تھی۔ ان کا تزکیہ کیا جاتا تھا۔ انھیں تقویٰ کے قریب تر کیا جاتا تھا، تاکہ لوگ اللہ کے پسندیدہ بندے بن جائیں۔ بیعت جہاد سے مراد ہے دین کی سربلندی کے لیے کوشش کرنا۔ تنظیم نے بیعت جہاد کو اس لیے اپنایا کہ اسلام کو بحیثیت نظام نافذ کرنے کے لیے آپ جدوجہد کریں گے۔ ہمارے ہاں یہ تصور عام ہے کہ جہاد کا مطلب صرف جنگ ہوتا ہے۔ حالانکہ جہاد کا مطلب صرف جنگ نہیں ہوتا بلکہ اصلاح ذات اور احیائے دین کے لیے، اچھائی کے فروغ اور بُرائی کے انسداد کے لیے آپ جو بھی جدوجہد کریں وہ جہاد ہے۔ جہاد سے مراد کسی بھی دینی غرض سے جدوجہد کرنا، کشمکش کرنا، محاذ آرائی کرنا، کسی سے ٹکرانا ہے۔ بیعت جہاد کا تقاضا یہ ہے کہ سب سے پہلے آپ اپنے نفس کے خلاف جہاد کریں، پھر باطل معاشرے کے خلاف جہاد کریں، اس کے بعد ایک قدم اور آگے بڑھ کر دین کو قائم کرنے کے لیے جہاد کریں۔ جہاد کا ایک مطلب جنگ لیا جاتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا مطلب جنگ بھی ہے۔ دراصل یہ جہاد کی آخری منزل ہے۔ اس Sense میں اسے قرآن نے قتال کہا ہے۔ جب آپ کوشش کرتے کرتے اس درجے پر پہنچ گئے کہ اب اگر آپ کو اس کام کے لیے اپنی جان کا نذرانہ دینا پڑ گیا تو آپ وہ بھی کر گزریں۔ آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ جہاد ایک عمومی ٹرم ہے اور قتال ایک خصوصی ٹرم ہے۔ ہر جہاد جنگ نہیں ہوتی البتہ فی سبیل اللہ قتال جہاد بھی ہے۔ بیعتِ ارشاد تو لوگوں کو نیک بنانے کے لیے ان کی اصلاح اور تزکیہ کے لیے ہوتی ہے، جبکہ دین کو قائم کرنے کے لیے، اسلام کو بحیثیت دین نافذ کرنے کے لیے آپ جو جدوجہد کریں گے وہ جہاد ہے۔ اس لیے بیعت جہاد لی جاتی ہے۔

سوال : ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے نفاذِ اسلام کے لیے تنظیم اسلامی قائم کی، لیکن جب ملک میں نفاذ اسلام کے لیے تحریکِ نظامِ مصطفیٰؐ چلی تو اس میں شرکت نہ کی، اس کی کیا وجہ تھی؟

ایوب بیگ مرزا: یہ وہ دور تھا جب میرا تعلق ڈاکٹر صاحب سے قائم ہوا۔ یہ 1977ء کی بات ہے۔ ڈاکٹر صاحب ان دنوں مسجد خضراء سمن آباد میں خطیب کی حیثیت سے ذمہ داری ادا کر رہے تھے۔ اس زمانے میں بھٹو نے الیکشن کروائے تھے۔ اس نے وقت سے پہلے الیکشن کروانے کا اعلان کر دیا۔ اسے توقع تھی کہ اس وقت اپوزیشن منتشر ہے، لہٰذا میری جیت یقینی ہے۔ لیکن اپوزیشن نے بڑی تیزی کے ساتھ ایک اتحاد قائم کیا اور اس کا نام رکھا: ''پاکستان قومی اتحاد''۔ یہ نیشنل الائنس تھا، یہ کوئی پاکستان اسلامک الائنس نہیں تھا۔ الیکشن ہوئے، الیکشن میں بقول قومی اتحاد دھاندلی ہوئی۔ اصل میں یہ تحریک اس دھاندلی کے خلاف چلائی گئی تھی۔ لیکن مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ابتدا میں یہ تحریک ماند پڑنی شروع ہو گئی تھی۔ اس پر اپوزیشن کے بڑے سر جوڑ کر بیٹھے اور انہوں نے اس تحریک میں اسلام کا ٹیکہ لگایا۔ لہٰذا اس کا نام تحریکِ نظامِ مصطفیٰؐ رکھ دیا گیا، تاکہ مسلمانوں کے اسلام کے حوالے سے جو جذبات ہیں وہ کیش کرائے جا سکیں۔ اسی وجہ سے بہت سے نوجوان اس تحریک میں شامل ہوئے اور انہوں نے بے دریغ اپنی جانیں دی ہیں۔ انہوں نے اپنے بٹن کھول کھول کر اپنے سینوں پر گولیاں کھائیں۔ گویا تحریک نظام مصطفیٰؐ کا نام دے کر انہوں نے لوگوں کے جذبات کو Involve کر لیا۔ آپ ہندوستان کی تاریخ اُٹھا کر دیکھ لیں۔ ہندوستان کے مسلمان کا مذہب سے ہمیشہ جذباتی تعلق رہا ہے۔ برصغیر کے مسلمان کا دین سے عملی تعلق اتنا نہیں، لیکن جذبات میں آ کر وہ جان دینے کو تیار ہو جاتا ہے۔ اس تحریک کا نام اگرچہ تحریک نظام مصطفیٰؐ تھا لیکن اس میں کٹر سیکولر جماعت نیشنل عوامی پارٹی بھی شامل تھی۔ اب اس کو عوامی نیشنل پارٹی کہتے ہیں۔ اس تحریک میں ایک بڑا سانحہ یہ ہوا کہ ایک جلسہ کے دوران مسجد شہدا میں لوگوں نے بیگم نسیم ولی خان کو منبر رسول ﷺ پر بٹھا دیا۔ یہ بڑی نامناسب بات تھی۔ یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے اور سیاست کی مجبوری ہے کہ سیاست میں عورت کو بھی آپ امام بنا لیں۔ کہنا میں یہ چاہتا ہوں کہ اصل میں وہ ایک اینٹی بھٹو تحریک تھی۔ ڈاکٹر صاحب اللہ کے فضل و کرم سے ان معاملات پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ بڑی دور بینی سے ان چیزوں کا مطالعہ کرتے تھے۔ وہ اس بات کی تہہ تک پہنچ چکے تھے کہ یہ اسلامی تحریک نہیں ہے بلکہ یہ تحریک بھٹو کو ہٹانے کے لیے چلائی جا رہی ہے۔ وہی ہوا کہ جب بھٹو منظر سے ہٹ گئے اور جنرل ضیاء الحق آئے تو وہ تحریک بالکل ختم ہو گئی۔ حالات ایسے نارمل ہو گئے جیسے کوئی تحریک چلی ہی نہیں تھی۔ اگر وہ واقعتاً تحریک نظام مصطفیٰؐ تھی تو اسے ختم نہیں ہونا چاہیے تھا تا آنکہ اسلامی نظام قائم نہ ہو جاتا۔ لیکن حکومت تبدیل ہوئی تو وہ تحریک خود بخود ختم ہو گئی، کیونکہ اس تحریک کا اصل مقصد حکومت کی

تبدیلی تھی۔

سوال : تنظیم اسلامی کا دعویٰ ہے کہ پاکستان میں انتخابات کے ذریعے نہیں انقلاب کے ذریعے اسلام نافذ ہوگا۔ آخر کیوں؟

ایوب بیگ مرزا : ایک عرصہ سے ہم اس حوالے سے دلائل دیا کرتے تھے کہ انتخابات کے ذریعے اسلام نہیں آسکتا، اس کے لیے انقلاب کی ضرورت ہے۔ آج اس کے لیے دلائل دینے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ پاکستان کی تاریخ خود گواہ بن گئی ہے کہ پاکستان میں انتخابات کے ذریعے اسلام نہیں آسکتا۔ آپ دیکھیں کہ 1970ء میں پہلے الیکشن ہوئے اور 2013ء میں آخری الیکشن ہوئے۔ اس دوران تقریباً 9 یا 10 انتخابات ہوئے۔ ان میں اسلامی جماعتوں کی جو پوزیشن رہی وہ بات بالکل واضح ہے۔ ایک ایسا ملک جس میں جاگیرداری نظام ہو، ایک ایسا ملک جس میں اسلام کے حوالے سے کئی فرقے ہوں، وہاں اسلامی جماعتیں انتخابات میں کیسے کامیاب ہوسکتی ہیں۔ دینی جماعتوں نے ایم ایم اے کے حوالے سے ایک آخری کوشش کی یعنی سب جماعتوں نے متحد ہوکر الیکشن لڑا۔ مگر کیا ہوا؟ زیادہ سے زیادہ خیبر پختونخوا میں حکومت بنالی۔ بلوچستان میں حصہ وصول کرلیا۔ مرکز میں کچھ سیٹیں مل گئیں۔ میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اولاً اسلامی جماعتیں کامیاب ہی نہیں ہوسکتیں، اور اگر کامیاب ہو بھی جائیں تو اس کا نتیجہ وہی نکلے گا جو مصر میں مرسی صاحب کے ساتھ ہوا کہ اُنھیں مکھن میں سے بال کی طرح نکال باہر کردیا گیا۔ اس لیے کہ انتخابات کے ذریعے آپ Establishment کی قوت ختم نہیں کرسکتے۔ انتخابات کے ذریعے آپ عدلیہ کو نہیں بدل سکتے۔ اور یہ سب لوگ اس وقت تک نہیں بدلیں گے جب تک ایک قوت کے ذریعے انھیں بدلا نہیں جائے گا۔ عدلیہ بھی وہی، اسٹیبلشمنٹ بھی وہی اور سب کچھ وہی ہو تو آپ پارلیمنٹ میں آکر اگر کچھ قانون بنائیں گے تو اُس کی راہ میں عدلیہ یا دوسرے مقتدر حلقے روڑے اٹکائیں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مصر کی مثال اس کے لیے بہت کافی ہے کہ انتخابات کے ذریعے کوئی حکومت بغیر سمجھوتے کے نہیں آسکتی اور جب آپ سمجھوتا کرکے آئیں گے تو آپ بہت جلد کلین بولڈ ہوجائیں گے۔

سوال : تبلیغی جماعت امر بالمعروف پر زور دیتی ہے۔ ان کا فلسفہ یہ ہے کہ جب اکثریت نیک ہوجائے گی تو صالح معاشرہ وجود میں آجائے گا لہٰذا اسلام بغیر کسی رکاوٹ کے خود بخود نافذ ہوجائے گا، اس حوالے سے آپ کی رائے کیا ہے؟

ایوب بیگ مرزا : الحمدللہ، تبلیغی جماعت کے لوگوں کی اکثریت نیک لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ وہ دین کے لیے بڑا اچھا جذبہ رکھتے ہیں۔ میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ وہ اسلام کی پنیری لگا رہے ہیں۔ وہ انفرادی اصلاح کے لیے اپنی توانائیاں صرف کررہے ہیں۔ وہ لوگوں کو برائی سے کھینچ کر نیکی کی طرف لاتے ہیں۔ یوں کہہ لیجیے کہ وہ لوگوں کو سینماؤں سے کھینچ کر مسجد کی طرف لاتے ہیں۔ یہ بہت نیک کام ہے۔ لیکن جہاں تک نظام کی تبدیلی کا تعلق ہے، اس کا راستہ اور ہے۔ دراصل ہر چیز کی کوئی تاریخ ہوتی ہے۔ انسانی تاریخ میں ایسا کوئی واقعہ نہیں ہے کہ ایسا انقلاب جس نے نظام کو بدل دیا ہو، وہ کسی وعظ اور محض نصیحت سے آگیا ہو۔ یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال تبلیغ کی۔ تمام پیغمبروں نے تبلیغ کا کام کیا لیکن کوئی نظام محض تبلیغ سے نہیں بدلا۔ نبی اکرم ﷺ نے تاریخ انسانی کا عظیم ترین انقلاب برپا کیا۔ اس کے لئے آپ مکہ میں تبلیغ کرتے رہے۔ وہاں ہاتھ اُٹھانے کی اجازت نہیں تھی۔ آپ ﷺ دین کی دعوت دیتے رہے، آپؐ نے ایک عظیم الشان جماعت تیار کی۔ چنانچہ ہجرت کے بعد کفار سے باقاعدہ مقابلہ ہوا اور انقلاب آیا۔ لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ درست ہے کہ تبلیغ کا کام، دعوت کا کام، دین کا بنیادی کام ہے۔ اس سے انحراف نہیں کیا جاسکتا۔ تبلیغی بھائی کہتے ہیں کہ ہم مکی دور کا کام کررہے ہیں۔ مگر سوال ہے کہ ان کا مکی دور کب ختم ہوگا۔ ان کے اجتماعات میں لاکھوں لوگ شریک ہوتے ہیں۔ ان میں سے اگر دو لاکھ بھی شہر کا رُخ کرلیں اور کہہ دیں کہ ہم سود نہیں چلنے دیں گے، ہم فحاشی نہیں چلنے دیں گے تو آپ بتایئے کہ کیا دو، چار پانچ لاکھ لوگوں کو حکومت روک سکتی ہے؟ آج حکومت سے چند ہزار لوگ نہیں سنبھالے جارہے ہیں۔ اگر منکر کو روکنے کے لیے وہ منظم ہوکر میدان میں آجائیں تو تبدیلی آسکتی ہے۔ وہ امر بالمعروف کا کام کرتے ہیں مگر نہی عن المنکر کا کام نہیں کررہے ہیں۔ گویا وہ آدھا کام کررہے ہیں۔ لاکھوں کی تعداد میں لوگوں کے ہونے کے باوجود اگر وہ نہی عن المنکر کا کام نہیں کررہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ ان کی ترجیح نہیں ہے۔ جبکہ اس کے بغیر اقامت دین کا کام ہو ہی نہیں سکتا۔ ویسے بھی اقامت دین کا کام ان کا علانیہ ہدف نہیں ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ کام خود بخود ہوجائے گا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ کام خود بخود نہیں ہوتا۔ اس بارے میں آخری اور حتمی بات بتاتا ہوں کہ اگر وعظ و نصیحت سے یہ کام ہونا ہوتا یعنی اگر خون بہائے بغیر یہ کام ہوسکتا تو نبی اکرم ﷺ سے اچھا واعظ کون ہوسکتا ہے؟ آپ ﷺ سے اچھا نصیحت کرنے والا کوئی ہوسکتا ہے؟ آپ ﷺ سے اچھا تدبیر کرنے والا کوئی ہوسکتا ہے؟ آپ ﷺ سے زیادہ کوئی شفیق ہوسکتا ہے کہ انسانوں کا خون نہ بہے۔ لیکن باطل نظام کو جڑ سے اُکھاڑ کر اسلام کے نظام کو قائم کرنے کے لیے آپ ﷺ کو تلوار اُٹھانا پڑی۔ آپ ﷺ کو اپنے ساتھیوں کا خون دینا بھی پڑا اور لوگوں کا خون لینا بھی پڑا۔ اگر یہ کام صرف وعظ و نصیحت سے ہوسکتا تھا تو نبی اکرم ﷺ سے زیادہ بہتر کوئی نہیں کرسکتا تھا۔

سوال : تحریک طالبان پاکستان بندوق اور گولی کے ذریعے نفاذِ شریعت کی حامی ہے۔ اس حوالہ سے یہ دلیل دی جاتی ہے کہ حضور ﷺ نے بھی تو اسلام کے نفاذ کے لیے تلوار اُٹھائی تھی۔ کیا آپ ان کے اس مؤقف سے اتفاق کرتے ہیں؟

ایوب بیگ مرزا : میں سمجھتا ہوں تحریک طالبان پاکستان اگر یہ سمجھتی ہے کہ بلٹ کے ذریعے اسلام نافذ ہوسکتا ہے تو یہ بات سمجھ آنے والی نہیں ہے۔ خاص طور پر جب آپ ایک ایسی ریاست میں رہتے ہیں جس کے حکمران مسلمان ہوں چاہے کتنے ہی بے عمل ہوں، جس کی فوج بھی کلمہ گو ہو۔ پاکستان کے آئین میں بھی لکھا ہوا ہے کہ یہاں قرآن و سنت کے منافی کوئی قانون سازی نہیں ہوسکتی۔ میرا نام محمد ایوب ہے۔ میرے نام سے لوگوں کو معلوم ہوجاتا ہے کہ میں ایک مسلمان ہوں۔ میرا تعلق اسلام سے ہے۔ اگر میں کوئی ایسا کام نہیں کرتا جس کا تعلق اسلام سے ہو پھر بھی میں نے اپنے نام کے ذریعے لوگوں کو بتادیا کہ میں ایک مسلمان ہوں۔ دنیا میں اسلام کا دعویٰ بھی اہمیت رکھتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے دور کے ایک واقعہ سے بات واضح ہوجائے گی۔ مسلمانوں اور کفار کے درمیان ایک جنگ میں ایک صحابیؓ نے ایک کافر کو نیچے گرالیا اور سینے میں خنجر گھونپنے لگے تو اس نے کلمہ پڑھ لیا۔ لیکن صحابیؓ نے اپنے خنجر کو روکا نہیں اور اس شخص کو قتل کردیا۔ جب نبی اکرم ﷺ تک یہ بات پہنچی تو آپ نے ان صحابیؓ کو طلب کیا کہ تم نے اس شخص کو کیوں قتل کیا، جس نے کلمہ پڑھ لیا تھا۔ انہوں نے عرض کی کہ اس نے جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں کیسے معلوم ہے کہ وہ اپنی جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھ رہا تھا۔ یہ کلمہ جب روزِ قیامت تمہارے خلاف گواہی دے گا تو تمہارے پاس کیا جواب ہوگا۔ لہٰذا میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہماری ریاست ہمارے حکمران، ہماری فوج کلمہ گو ہیں خواہ ان کے اعمال کچھ بھی ہوں۔ لہٰذا کلمہ گو کے خلاف اسلام کا نام لے کر ہتھیار اُٹھانا درست نہیں ہے۔ طالبان کو یہ طرزِ عمل بدلنا ہوگا۔ یقیناً طالبان کی خواہش ہوگی کہ اسلام بحیثیت نظام پاکستان میں آئے۔ وہ اپنی اس خواہش کے حوالے سے بڑے

مخلص ہوں گے۔ تاہم یہ جذبات کسی کے بھی ہوں انھیں کنٹرول ہونا چاہیے۔ انھیں یہ کام بجائے بلٹ کے دعوت و تبلیغ کے ذریعے اور اس انداز سے کرنا چاہیے کہ ایسے لوگوں کی جماعت بنائی جائے جو پہلے خود پر دین کو قائم و نافذ کریں، پھر اپنے گھر والوں پر کریں، اس کے بعد وہ اقامتِ دین کی جدوجہد کے لیے نکلیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو خانہ کعبہ (اپنا گھر) بہت عزیز ہے، لیکن کسی مسلمان کی جان، اُسے خانہ کعبہ کی عزت سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ طالبان کہتے ہیں کہ وہ امریکہ کا ساتھ دینے کی وجہ سے فوج پر حملہ کرتے ہیں۔ لیکن جب کوئی ایسا بے گناہ شہری مارا جاتا ہے جو بذاتِ خود ایک اچھا مسلمان ہے، جب یہ شخص روزِ قیامت کھڑا ہو کر کہے گا کہ انہوں نے میرا ناحق خون کیا تو ان کے پاس کیا جواب ہوگا۔ افواج پاکستان میں بڑی خرابیاں ہوں گی۔ میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے بڑی زیادتیاں بھی کی ہیں۔ انہوں نے یہ نہیں کیا کہ جن لوگوں نے اسلام کے حوالے سے اسلحہ اُٹھایا ہے، ان کی اصلاح کی کوشش کریں، انھیں اس حوالے سے سمجھانے کی کوشش کریں۔ انہوں نے بھی بارود کو بغیر کسی رکاوٹ استعمال کیا۔ اندھا دھند ان لوگوں کو مارا۔ لیکن میں ایک بات واضح کر دوں کہ تحریک طالبان کے تمام گروپس ایسے نہیں ہیں، اصل میں ان گروپس میں کچھ لوگ یہ کام کر رہے ہیں۔ ہم ان کی شدید مذمت کرتے ہیں۔ اگر وہ پُر امن شہریوں اور ان لوگوں کو جن کے ساتھ ان کی کوئی محاذ آرائی نہیں ہے مار رہے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ بہت بڑی غلطی پر ہیں۔ ایسا کر کے اللہ اور رسول ﷺ کی رضا کی بجائے وہ ناراضی مول رہے ہیں۔

سوال: محترم ڈاکٹر صاحب نے اپنے انتقال سے قبل تنظیم اسلامی کی امارت حافظ عاکف سعید کے سپرد کر دی تھی۔ کیا یہ موروثیت نہیں ہے؟

ایوب بیگ مرزا: ڈاکٹر اسرار احمدؒ کہا کرتے تھے کہ دین کے حوالے سے ہمیں پیچھے سے پیچھے دیکھنا چاہیے یعنی ہمیں اپنے اسلاف کا طرزِ عمل دیکھنا چاہیے اور اس کو دیکھ کر اپنی راہ عمل متعین کرنی چاہیے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے بیٹے حافظ عاکف سعید کا جو تقرر کیا، میں سمجھتا ہوں کہ یہ نقل اور عقل کا بڑا حسین امتزاج تھا۔ جہاں تک نبی اکرم ﷺ کا معاملہ ہے، آپ تو نبی تھے۔ آپ ﷺ کو استثنیٰ حاصل تھا۔ آپ ﷺ کا معاملہ بالکل جداگانہ ہے۔ آپ ﷺ کے بعد صحابہؓ کا معاملہ ہے۔ ہمیں انہی کی پیروی کرنی ہے۔ اگرچہ ہم ان کی خاکِ پا کے برابر نہیں ہیں، لیکن ہمیں سر اونچا کر کے انہی کی طرف دیکھنا ہے کہ ان کا طرزِ عمل کیا تھا، وہ کیسے اپنے معاملات کو سلجھاتے تھے۔ حضور ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکرؓ کو ایک مشاورت میں خلیفہ کے طور پر منتخب کر لیا گیا کیونکہ حضور ﷺ نے کسی کو نامزد نہیں کیا تھا۔ حضور ﷺ نے صرف یہ فرمایا تھا کہ خلیفہ قریش میں سے ہو گا۔ لہٰذا انصار تو پہلے ہی Withdraw کر گئے، کیونکہ وہ قریش سے نہیں تھے۔ میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ پہلے خلیفہ کو مقرر کرنے کے لیے مشاورت کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ حضرت ابوبکرؓ کے خلیفہ بننے میں حضرت عمرؓ نے کلیدی رول اختیار کیا تھا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی وفات سے پہلے حضرت عمرؓ کو نامزد کر دیا۔ اب دیکھیے، ہمارے سامنے دو طریقے آ گئے۔ پہلا طریقہ مشاورت ہے اور دوسرا نامزدگی۔ حضرت عمرؓ جب زخمی ہوئے تھے تو انہوں نے چھ افراد کی ایک کمیٹی بنائی تھی۔ ان چھ افراد میں سے بھی چار نے Withdraw کر لیا۔ دو کے بارے میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے لوگوں (عورتوں، بچوں وغیرہ) سے پوچھا یعنی مشاورت کی، گویا اس صورت میں بھی مشاورت سے معاملہ ہوا اور حضرت عثمانؓ خلیفہ بن گئے۔ ان ساری چیزوں کو سامنے رکھیے اور پھر دیکھیے کہ محترم ڈاکٹر صاحب نے کس طرح امیر مقرر کیا۔ اُنھوں نے پہلے اپنی شوریٰ سے مشورہ کیا، پھر ایک بڑے درجے کا اجتماع بلایا۔ اسے ملتزم رفقاء کا اجتماع کہتے ہیں۔ ان سے رائے لی۔ تقریباً سات آٹھ سو افراد سے مشاورت ہوئی اور ان سے رائے لی گئی کہ وہ کن لوگوں کو پسند کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا تو اتفاق سے چھ افراد سامنے آئے۔ ان چھ افراد کو ملتزم رفقاء کے سامنے لایا گیا۔ انہوں نے تقاریر کے ذریعے اپنا منشور پیش کیا کہ وہ کس طرح کام کریں گے اور اپنا تفصیلی تعارف کروایا۔ ان چھ افراد میں سے رفقاء کی رائے کے ذریعے تین افراد کی شارٹ لسٹ بنی۔ ان تین افراد میں سے ڈاکٹر صاحب نے اپنا اختیار استعمال کیا اور حافظ عاکف سعید کو امیر نامزد کیا۔ اس حوالہ سے ایک طویل مشاورت ہوئی جس میں کئی ماہ لگے تب جا کر ان کی نامزدگی ہوئی اور اگرچہ یہ نامزدگی تھی لیکن ایسے نہیں کہ بیٹھے بیٹھے ڈاکٹر صاحب نے کہہ دیا کہ عاکف سعید امیر ہوں گے، بلکہ مشاورت کے مراحل سے گزر کر اعلان کیا گیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ جس بات میں سنت رسول ﷺ اور سنت صحابہؓ کو سامنے رکھا جائے تو اس میں اللہ کا فضل شامل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا آج کل کی جماعتوں کے حوالے سے بڑی انہونی بات یہ ہوئی کہ باقی پانچ افراد نے نامزد امیر سے مکمل تعاون کیا اور دل سے عاکف سعید صاحب کی امارت کو تسلیم کیا۔ آج تک وہ سب حضرات تنظیم اسلامی کا حصہ ہیں اور ان میں سے اکثر بڑا مرکزی رول ادا کر رہے ہیں۔

ضرورت رشتہ

☆ بیٹا، عمر 29 سال، تعلیم ایم بی اے، سعودی عرب میں ملازم کے لیے دینی گھرانے سے اعلیٰ تعلیم یافتہ باپردہ لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی قید نہیں۔
برائے رابطہ: 0321-4004527

☆ بیٹی، عمر 28 سال، ایم اے انگلش کے لئے مذہبی گھرانے سے ہم پلہ رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی قید نہیں۔
برائے رابطہ: 0321-4004527

☆ لاہور میں رہائش پذیر رفیق تنظیم کو اپنی بہن اردو سپیکنگ' عمر 25 سال، تعلیم بی ایس سی (آنرز)، قد 5.6 کے لئے دیندار پڑھے لکھے لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: 0347-4277739

دُعائے صحت کی اپیل

☆ رفیق تنظیم اسلامی جناب احمد خان کے والد گرامی جناب انیس الحق افغانی (ملتان) ہارٹ اٹیک کے باعث علیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں شفائے کاملہ عاجلہ عطا فرمائے۔ قارئین سے بھی اُن کے لئے دُعائے صحت کی اپیل ہے۔

دُعائے مغفرت کی اپیل

☆ تنظیم اسلامی کے مرکزی ناظم تعلیم و تربیت انجینئر حافظ نوید احمد کی خوش دامن انتقال کر گئیں۔

☆ تنظیم اسلامی حلقہ حیدر آباد کے ملتزم رفیق محسن علی کے بہنوئی انتقال کر گئے۔

☆ تنظیم اسلامی حلقہ حیدر آباد کے مبتدی رفیق محمد ذیشان کے والد انتقال کر گئے۔

☆ تنظیم اسلامی حلقہ حیدر آباد کے ملتزم رفیق محمد بچل لاکھو کا بھتیجا پچھلے ہفتہ انتقال کر گیا۔

☆ تنظیم اسلامی حلقہ حیدر آباد کے مبتدی رفیق محمد اقبال قائم خانی کی والدہ رحلت فرما گئیں۔

☆ حلقہ بلوچستان کے معتمد جناب جاوید انور کی اہلیہ وفات پا گئیں۔

☆ ناظم حلقہ مالاکنڈ احسان الودود کی والدہ وفات پا گئیں۔

☆ تنظیم اسلامی ناظم آباد کراچی کے امیر خالد بشیر کے چچا رحلت فرما گئے۔

☆ حلقہ کراچی جنوبی کی مقامی تنظیم قرآن اکیڈمی کے امیر شاہد رحمان صدیقی کے بہنوئی انتقال کر گئے۔

اللہ تعالیٰ مرحومین و مرحومات کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ (آمین) قارئین سے بھی دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھُمْ وَارْحَمْھُمْ وَاَدْخِلْھُمْ فِیْ رَحْمَتِكَ وَحَاسِبْھُمْ حِسَابًا یَّسِیْرًا

عقل ودِل

پس منظر:

یہ نظم مئی 1902ء کے جریدہ ''مخزن'' میں شائع ہوئی تھی۔ پہلے اس نظم کا عنوان ''خطِ منظوم'' تھا۔ اس نظم کے دو بند تھے۔ ابتدا میں نظم کے پہلے بند میں 20 شعر اور دوسرے بند میں 21 شعر تھے۔ بعد میں پہلا بند حذف کر دیا گیا اور دوسرے بند کے صرف 13 شعر باقی رکھے گئے۔ عنوان بھی بدل کر ''عقل ودل'' تجویز کیا گیا۔ یہ نظم اب ''بانگِ درا'' میں شامل ہے۔

اشعار:

عقل نے ایک دن یہ دل سے کہا بھولے بھٹکے کی رہنما ہوں میں
ہوں زمیں پر، گذر فلک پہ مرا دیکھ تو کس قدر رسا ہوں میں
کام دنیا میں رہبری ہے مرا مثلِ خضرِ خُجستہ پا ہوں میں
ہوں مفسّر کتابِ ہستی کی مظہرِ شانِ کبریا ہوں میں
بوند اِک خون کی ہے تو لیکن غیرتِ لعلِ بے بہا ہوں میں

الفاظ کے معانی:

رسا: پہنچی ہوئی --- خجستہ پا: بابرکت قدموں والا --- مظہر: ظاہر کرنے والی --- بے بہا: اَنمول، بیش قیمت

شرح:

ان اشعار میں عقل نے دل کو مخاطب کر کے اپنے اوصاف بیان کیے ہیں۔ تصوف میں عقل ودل کی بحث بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اقبال کے اس موضوع پر کئی معرکہ آرا اشعار موجود ہیں۔ بہرحال ان اشعار میں عقل نے اپنی برتری ثابت کرنے کے لیے چند دلائل دیے ہیں۔ عقل کہتی ہے کہ میں بھٹکے ہوؤں کو راستہ دکھاتی ہوں۔ اسی طرح میں زمین پر رہتی ہوں لیکن میری رسائی بہت دُور تک ہے۔ میں نہ صرف دنیا میں لوگوں کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتی ہوں، بلکہ میرے مبارک قدم حضرت خضرؑ کی طرح سمندروں اور بیابانوں میں بھی لوگوں کی رہبری کرتے ہیں۔ میں نہ صرف زندگی کے بھید کھول کھول کر بیان کرنے والی ہوں بلکہ اللہ کی شان سے دنیا میری وجہ ہی سے واقف ہوتی ہے۔ اس کے بعد عقل نے دل کو مخاطب کر کے کہا کہ اے دل! تو صرف لہو کی ایک بوند ہے۔ گویا تو ایک لعل ہے لیکن میں اس لعل سے بھی زیادہ قیمتی ہوں۔

اشعار:

دل نے سُن کر کہا یہ سب سچ ہے پر مجھے بھی تو دیکھ، کیا ہوں میں
رازِ ہستی کو تو سمجھتی ہے اور آنکھوں سے دیکھتا ہوں میں
ہے تجھے واسطہ مظاہر سے اور باطن سے آشنا ہوں میں
علم تجھ سے، تو معرفت مجھ سے تو خدا جو، خدا نما ہوں میں
علم کی انتہا ہے بے تابی اس مرض کی مگر دوا ہوں میں
شمع تُو محفلِ صداقت کی حسن کی بزم کا دیا ہوں میں
تو زمان و مکاں سے رشتہ بپا طائرِ سدرہ آشنا ہوں میں
کس بلندی پہ ہے مقام مرا عرشِ ربِّ جلیل کا ہوں میں

الفاظ کے معنی:

باطن: ہر شے کی حقیقت، چھپے ہوئے حقائق --- معرفت: خدا کی پہچان --- خُدا جُو: خدا کی تلاش کرنے والا/ والی --- خدانما: خدا کا دیدار کرانے والا --- زمان ومکان: وقت اور جگہ (Time & Space)، مراد مادی دنیا --- رشتہ بپا: قیدی۔ اسیر --- طائر: پرندہ --- سدرہ: بیری کا درخت۔ مراد سدرۃ المنتہیٰ کا مقام

شرح:

دل یہ سن کر عقل سے گویا ہوا کہ تو نے جو کچھ کہا وہ سچ ہے، لیکن مجھے کمتر نہ جان، ذرا مجھے بھی دیکھ کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔ تو زندگی کے بھیدوں کو صرف سمجھ سکتی ہے لیکن میں ان بھیدوں کا مشاہدہ کرتا ہوں۔ تیرا واسطہ صرف چیزوں کے ظاہر سے ہے جبکہ میں ان کے چھپے ہوئے حقائق (باطن) سے بھی واقف ہوں۔ تجھ سے دنیا کو صرف خدا کی موجودگی کا علم حاصل ہوتا ہے جبکہ میں خدا کی پہچان (معرفت) کراتا ہوں۔ تو اللہ کی تلاش میں بھٹکتی رہتی ہے اور میں خدا کا دیدار کرا دیتا ہوں۔ تیرا تعلق علم سے ضرور ہے لیکن اس علم کی انتہا یہ ہے کہ آخری منزل پر پہنچ کر یہ بے چینی اور بے اطمینانی کا سامان بن جاتا ہے (جیسا کہ عقل کی روشنی میں مسائل کو حل کرنے والے تمام فلاسفر تشکیک کا شکار ہو جاتے ہیں) بے چینی کی اس بیماری کا علاج بھی میں ہی ہوں، یعنی جو دل کی روشنی میں معرفتِ خدا سے بہرہ ور ہو جاتے ہیں انہیں بے اطمینانی اور بے چینی سے نجات مل جاتی ہے اور وہ مطمئن و پرسکون ہو جاتے ہیں۔ ٹھیک ہے تو سچائی کی شمع (کی علمبردار) ہے لیکن میں حسن کی دنیا میں چراغ کی حیثیت رکھتا ہوں۔ تو زمان ومکان کی قیدی ہے اور اس مادی دنیا کے اسباب و وسائل سے پرے نہیں دیکھ سکتی (آج بے خدا سائنس اور یک چشم دجالی تہذیب کا یہی حال ہے کہ وہ مادہ سے ہٹ کر حقائق کو دیکھنے کے لیے تیار نہیں)۔ جبکہ میں وہ پرندہ ہوں جس کی رسائی سدرۃ المنتہیٰ تک ہے۔ آخری شعر میں دل نے اصل حقیقت سے ہی پردہ اُٹھا دیا ہے کہ میرا مقام اتنا اُونچا ہے کہ صرف سدرۃ المنتہیٰ تک ہی میری رسائی نہیں ہے بلکہ میری پہنچ تو اس سے بھی آگے ہے اور حقیقت یہ ہے کہ میں تو رب ذوالجلال کا عرش ہوں۔ یعنی اللہ میرے اندر (یعنی بندۂ مومن کے دل میں) رہتا ہے۔ اس اعتبار سے بندۂ مومن کے دل کو عرشِ الٰہی سے تشبیہ دی گئی ہے۔

تنظیم اسلامی صدر لاہور کے زیراہتمام جلسہ سیرت النبی ﷺ کا انعقاد

تنظیم اسلامی صدر لاہور کے زیراہتمام 12 ربیع الاوّل 1435ھ کو کپل شادی ہال لاہور میں جلسہ سیرت النبی ﷺ کا انعقاد کیا گیا، جس میں مرکزی ناظم تعلیم وتربیت انجینئر حافظ نوید احمد کو خطاب کے لئے خصوصی طور پر مدعو کیا گیا۔ مہمان مقرر نے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ عشق رسول ؐ کا اصل تقاضا یہ ہے کہ آپ ؐ کے مشن کو اپنا مقصد حیات بنایا جائے، جس کے لیے رسول کریم ﷺ نے اپنا تن، من، دھن قربان کر دیا۔ مغازیٔ رسول اللہ کا مقصد اولین وآخرین غلبہ ٔ و اقامت دین تھا۔ مرکزی ناظم تعلیم وتربیت نے کم وبیش ڈیڑھ گھنٹے پر محیط اپنے جامع خطاب میں واضح کیا کہ غزوات النبیؐ اقدامی تھے، ان کی نوعیت کو دفاعی قرار دینا قرآن وسیرت مطہرہ سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے بعثت ورسالتِ محمدی ﷺ کے مقاصد جلیلہ کو اُجاگر کرتے ہوئے خوابیدہ ملت اسلامیہ کو اُن کی فراموش کردہ ذمہ داریوں سے آگاہ کیا۔ قیام نظام عدل وقسط کے لیے ”محمد رسول اللہ والذین معہٗ“ کی محنت شاقہ کے جان گسل مراحل کا ایک اجمالی نقشہ پیش کرتے ہوئے انہوں نے حاضرین کو یاد دلایا کہ حدیث نبوی ﷺ کے مطابق ”جس شخص کو بھی اس حال میں موت آئی کہ نہ تو اس نے جنگ کی اور نہ اس کا آرزومند ہی ہوا تو وہ نفاق کی موت مرا“۔ (رواہ مسلم عن ابی ھریرہؓ) دوران خطاب انہوں نے مراحل انقلاب نبویؐ کی بھی وضاحت فرمائی، اور احیائے دین کے لیے کوشاں قافلہ ہائے رنگ وبو کو توجہ دلائی کہ مروجہ جمہوری تماشا حصول منزل کے لیے مانند سراب ہے۔ مہمان مقرر کے خطاب سے قبل تلاوت فرقان حمید کی سعادت محترم معاذ کو حاصل ہوئی جبکہ نوجوان رفیق عمر شبیر نے بحضور سرور کائنات گلہائے عقیدت پیش کیے۔

کپل شادی ہال، صدر لاہور کینٹ اپنی تنگ دامانی پر نازاں تھا، جہاں 12 ربیع الاوّل کی صبح تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ 325 کے لگ بھگ مردوخواتین نے انتہائی انہماک اور ہمہ تن گوش ہو کر اُسوہ رسول ﷺ کا تذکرہ سماعت فرمایا۔ یہ امر بھی لائق ذکر ہے کہ وسیع تر تشہیری مہم کے بجائے بذریعہ دعوتی کارڈز زیر دعوت احباب کو شرکت کی دعوت دی گئی جو بفضلہٖ تعالیٰ بارآور ثابت ہوئی۔ آیات قرآنی سے مزین کیلنڈر نیز بانی محترم ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم کی سیرتِ محمدیہؐ سے متعلق کتب پر مشتمل اسٹال کا بھی اہتمام کیا گیا۔ شرکاء نے سٹال میں گہری دلچسپی لی۔

(مرتب: محمد طارق جاوید، معتمد مقامی تنظیم)

تنظیم اسلامی حلقہ کراچی شمالی کا تعارفی کیمپ

تنظیم اسلامی حلقہ کراچی شمالی کے امیر شجاع الدین شیخ نے حلقہ کی دس تناظیم کو توسیع دعوت کے ضمن میں دو دعوتی وتعارفی کیمپ لگانے کی ذمہ داری سونپی۔ ایک کیمپ کی ذمہ داری مقامی تنظیم وسطی کو دی گئی۔ مقامی امیر سید سلمان نے نقباء ومعاونین کے اجتماع میں مشاورت سے جگہ کا انتخاب کیا اور امیر معاویہ گراؤنڈ بلاک 17 ایف بی ایریا میں کیمپ لگانے پر اتفاق ہوا۔ پروگرام کے لئے مقامی تنظیم کے ناظم دعوت رضوان احمد کو ناظم اور ان کی معاونت کے لئے ناظمین مقرر کئے گئے۔ دعوت کے لئے 4000 ہینڈ بلز 50 بینرز اور 600 دعوتی کارڈز پرنٹ کروائے گئے۔ خصوصی پیغامات اور ملاقاتوں کے ذریعہ رفقاء کو متحرک کرنے کی کوشش کی گئی۔ علاقہ کے نقیب اسرہ نے دو دن پہلے علاقہ کا معائنہ کیا اور رہبروں کو علاقہ سے روشناس کرایا۔ 5 فروری میزبان تنظیم کے رفقاء دن 11 بجے جلسہ گاہ میں جمع ہونا شروع ہو گئے۔ بقیہ چار تناظیم کے رفقاء بھی جنہیں 4 بجے بلایا گیا تھا اپنے وقت پر آ گئے۔ پروگرام کے آغاز میں گلشن اقبال تنظیم کے ناظم تربیت سلیم الدین نے گشت کے آداب بیان کئے۔ گشت کے لئے امیر حلقہ نے 15 ٹیمیں تشکیل دیں۔ ٹیموں نے نماز عصر مختلف مساجد میں ادا کی۔ اس کے بعد رفقاء نے گھر گھر جا کر پروگرام کی دعوت پہنچائی۔ بعد نماز مغرب امیر حلقہ شجاع الدین شیخ نے ”غیرت نام تھا جس کا“ کے عنوان سے ایک ایمان افروز خطاب کیا، جسے شرکاء نے نہایت توجہ سے سنا۔ امیر حلقہ نے کہا کہ بے حیائی اور فحاشی کے سدباب کے لئے کوئی بھی اپنا کردار ادا کرنے کو تیار نہیں، یہاں تک کہ بے حیائی کے خاتمے کی بات ہوتی ہے تو عدالت اور پیمرا ابھی یہ سوال کرتے ہیں کہ پہلے یہ بتایا جائے کہ فحاشی اور عریانی کی تعریف کیا ہے۔ امیر حلقہ نے مختلف آیات اور احادیث مبارکہ کے حوالے سے حیا کی اہمیت اور فحاشی و بے حیائی کی ہلاکت کو واضح کیا۔ اس پروگرام میں 170 رفقاء اور 250 احباب نے شرکت کی۔ رابطہ فارم کے ذریعہ احباب سے ان کے نام ایڈریس اور فون نمبر حاصل کئے گئے۔ احباب نے مکتبہ سے بھی استفادہ کیا۔ پروگرام کا اختتام دعا پر ہوا۔ (رپورٹ: محمد ارشد، معتمد وسطی تنظیم)

رفقاء متوجہ ہوں

ان شاءاللہ ”قرآن اکیڈمی 25 آفیسرز کالونی بوسن روڈ
(عقب ملتان لاء کالج) ملتان“ میں

9 تا 15 / مارچ 2014ء

(بروز اتوار نماز عصر تا بروز ہفتہ نماز ظہر)

مبتدی وملتزم تربیتی کورسز

(ملتزم تربیتی کورس میں جہاد فی سبیل اللہ، عبادتِ رب، شہادت علی الناس اور اقامت دین کے موضوعات پر باہمی مذاکرہ ہوگا۔ رفقاء ان موضوعات پر دستیاب مواد کا مطالعہ کر کے آئیں)

اور

14 تا 16 / مارچ 2014ء

(بروز جمعہ نماز عصر تا بروز اتوار نماز ظہر)

امراء ونقباء تربیتی ومشاورتی اجتماع

کا انعقاد ہو رہا ہے

زیادہ سے زیادہ رفقاء اور امراء ونقباء متعلقہ پروگرام میں شریک ہوں

موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

برائے رابطہ: 061-6520451,0331-7045701

المعلن: مرکزی شعبہ تعلیم و تربیت 36316638-36366638(042)

توجہ طلب

مبلغ کی پہلی منزل؟

انتخاب: فریداللہ مروت

ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ میں تبلیغ دین کا کام کرنا چاہتا ہوں، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کام کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ کیا تم اس مرتبہ پر پہنچ چکے ہو؟ اس نے کہا، ہاں توقع ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر تمہیں یہ اندیشہ نہ ہو کہ قرآن کی تین آیتیں رسوا کردیں گی تو ضرور تبلیغ دین کا کام کرو۔ اس نے کہا وہ کون سی تین آیتیں ہیں؟

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پہلی آیت یہ ہے:

﴿ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ ﴾ (البقرہ:44)

''کیا تم لوگوں کو نیکی کا وعظ کہتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا اس آیت پر اچھی طرح عمل کرلیا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ دوسری آیت ہے:

﴿ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (۲) ﴾ (الصّف)

''تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔''

تو نے اس پر اچھی طرح عمل کرلیا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ اور تیسری آیت ہے:

﴿ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ۭ ﴾ (ھود: 88)

''اور میں نہیں چاہتا کہ جس امر سے میں تمہیں منع کروں خود اس کو کرنے لگوں۔''

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا جن بری باتوں سے میں تمہیں منع کرتا ہوں ان کو بڑھ کر خود کرنے لگوں، میری نیت یہ نہیں، بلکہ میں تو ان سے بہت دور رہوں گا (یعنی تم میرے قول اور عمل میں تضاد نہ دیکھو گے)۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اس آیت پر اچھی طرح عمل کرلیا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ تو فرمایا، جاؤ، پہلے اپنے آپ کو نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو۔ یہ مبلغ کی پہلی منزل ہے۔ (ماخوذ از ''معارف الحدیث'')

غلبہ و اقامتِ دین کی جدوجہد کا حُدی خواں ▪ تنظیم اسلامی کی انقلابی دعوت کا ترجمان

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی: ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

شمارہ مارچ 2014ء جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ

مضامین

مذاکرات یا فوجی آپریشن؟ ——— ایوب بیگ مرزا
اسلامی آدابِ معاشرت ——— ڈاکٹر اسرار احمدؒ
غافل انسان کی حسرت ——— انجینئر نوید احمد
قرآنی تصورِ فلاح ——— عتیق الرحمٰن صدیقی
مقامِ عبدیت اور اس کے تقاضے ——— راحیل گوہر
صلہ رحمی: اسلامی اخلاق کا طُرّۂ امتیاز ——— پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا ''بیان القرآن'' باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے!

☆ صفحات: 100 ☆ قیمت فی شمارہ: 25 روپے ☆ سالانہ زرِ تعاون (اندرون ملک) 250 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور 36۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

تنظیمی اطلاعات

حلقہ فیصلہ آباد میں محمد رشید عمر کا بطور نائب امیر حلقہ تقرر

حلقہ فیصل آباد میں نائب امیر حلقہ کے تقرر کے لیے امیر حلقہ فیصل آباد کی جانب سے موصولہ سفارش پر امیر محترم نے مرکزی مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ 6 فروری 2014ء میں مشورہ کے بعد محمد رشید عمر کو نائب امیر حلقہ، فیصل آباد مقرر فرمایا۔

مقامی تنظیم ''بی بوڑ'' میں عالم زیب کا بطور امیر تقرر

ناظم حلقہ مالاکنڈ کی جانب سے مقامی تنظیم بی بوڑ میں تقرر امیر کے لیے موصولہ اُن کی اپنی تجویز اور رفقاء کی آراء کی روشنی میں امیر محترم نے مرکزی مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ 6 فروری 2014ء میں مشورہ کے بعد عالم زیب کو مقامی تنظیم کا امیر مقرر فرمایا۔

مقامی تنظیم ''گلبرگ لاہور'' میں مسعود الاحد کا بطور امیر تقرر

امیر حلقہ لاہور شرقی کی جانب سے مقامی تنظیم گلبرگ میں تقرر امیر کے لیے موصولہ اُن کی اپنی تجویز اور رفقاء کی آراء کی روشنی میں امیر محترم نے مرکزی مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ 6 فروری 2014ء میں مشورہ کے بعد مسعود الاحد کو مقامی تنظیم کا امیر مقرر فرمایا۔

مقامی تنظیم ''میر پور'' میں فیاض اختر میاں کا بطور امیر تقرر

امیر حلقہ پنجاب پوٹھوہار کی جانب سے مقامی تنظیم میر پور میں تقرر امیر کے لیے موصولہ اُن کی اپنی تجویز اور رفقاء کی آراء کی روشنی میں امیر محترم نے مرکزی مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ 6 فروری 2014ء میں مشورہ کے بعد فیاض اختر میاں کو مقامی تنظیم کا امیر مقرر فرمایا۔

مقامی تنظیم ''دیر'' میں محمد حنیف کا بطور امیر تقرر

ناظم حلقہ مالاکنڈ کی جانب سے مقامی تنظیم دیر میں تقرر امیر کے لیے موصولہ اُن کی اپنی تجویز اور رفقاء کی آراء کی روشنی میں امیر محترم نے مرکزی مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ 13 فروری 2014ء میں مشورہ کے بعد محمد حنیف کو مقامی تنظیم کا امیر مقرر فرمایا۔

بقیہ: منبر ومحراب

منافقت کا رنگ غالب ہے۔ اس دستوری منافقت کا خاتمہ کیا جائے۔ والد محترم نے ایم ایم اے کے دور میں جبکہ اُس کے بہت سے ارکان اسمبلی میں پہنچے تھے، انہیں مجوزہ دستوری ترامیم کا ڈرافٹ بھیجا تھا۔ اس اپیل کے ساتھ کہ آپ لوگ آئین میں موجود ان خامیوں کا خاتمہ کریں، تاکہ ہمارا دستور صحیح معنوں میں اسلامی ہو جائے۔ اس عمل سے کم از کم صحیح رخ پر سفر کا آغاز تو ہو جائے گا۔ جب آپ کہتے ہیں کہ شریعت ہمارے دستور میں موجود ہے تو پھر آپ کو حکومت سے یہ مطالبہ کرنا چاہئے کہ شریعت کو عملاً نافذ کرے۔ آپ یہ کہیں کہ نفاذ شریعت ہمارا حق ہے۔ ہمارا آئین اسلامی ہے، اور آپ نے یہ حق ہم سے کیوں چھین رکھا ہے۔ عوام اور دینی طبقات اُٹھ کھڑے ہوں اور حکمرانوں سے نفاذ شریعت کا مطالبہ کریں۔ چھوٹے چھوٹے مطالبات لے کر تو ہم کھڑے ہو جاتے ہیں جیسے لوڈشیڈنگ، مہنگائی کے خلاف احتجاجی مظاہرے وغیرہ، مگر نفاذ شریعت کے لئے ہم منظم مظاہرے نہیں کرتے۔ دستور اسلامی ہے تو خدارا! اس کے نفاذ کے لئے مہم چلایئے۔ آپ کو یہ حق آپ کا آئین دے رہا ہے۔ انڈیا کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ وہاں 12،11 فیصد مسلمانوں نے تحریک چلا کر اپنے عائلی قوانین کا تحفظ یقینی بنالیا۔ جبکہ یہاں 95 فیصد مسلمان آباد ہیں اور پھر بھی غیر اسلامی نظام کے تحت زندگی بسر کر رہے ہیں۔ آخر کیوں؟ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہمارے حکمرانوں کو صحیح سمجھ بوجھ اور اخلاص کی دولت عطا فرمائے۔ (آمین)